بیاد پروفیسر سید منظر حسن دسنوی مرحوم
اور سید شکیل دسنوی مرحوم
شعروادب کی صالح قدروں اور عصری رجحانات کا ترجمان

اشاعت کا سولہواں سال ۶۷ رواں شمارہ

سہ ماہی **ادبی محاذ** کٹک

ہمارے سرپرست
علامہ سید اولادِ رسول قدسی مصباحی (امریکہ)
جناب خادم رسول عینی (بھساول)
جناب محمد رفیق وارث مصباحی (جانسبرگ، جنوبی افریقہ)

مدیر اعلیٰ: سعید رحمانی
موبائل۔ 07978439220 (صرف SMS کے لیے)

مدیر
سید نفیس دسنوی
Mob:9437067585

معاون مدیران
سیّد نور الٰہی ناطق
Mob:9237427933
عبدالمتین جامی
Mob-9938905926

منیجنگ ایڈیٹر
سمیع الحق شاکر موبائل 9861148800

کمپیوٹر کمپوزنگ:۔ یونس عاصم موبائل۔ 9090156995

مجلسِ مشاورت
ڈاکٹر اسلم حنیف، ظفر اقبال ظفر، شارق عدیل، غلام ربانی فدا، اشفاق نجمی، حیرت فرخ آبادی، شیخ منور حبیبی، شیخ قریش، ڈاکٹر معصوم شرقی، ڈاکٹر قمر الزماں، یوسف جمال، مولانا مطیع اللہ نازش، ارشد جمیل

قانونی مشیر: محمد فیض الدین خاں (ایڈوکیٹ، ہائی کورٹ)

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ
سعید رحمانی۔ دیوان بازار۔ پوسٹ۔ بخشی بازار، کٹک۔ 753001 (اڈیشا)
09437067585 (ضروری جانکاری کے لیے)
E-mail: adbimahaz@gmail.com
E-mail: Sayeedrahmani@gmail..com
Website: http//www.sayeedrahmani.blogspot.com

قیمت فی شمارہ: ۲۵؍روپے　　زرِ سالانہ: ۱۰۰؍روپے
رجسٹری ڈاک سے زرِ سالانہ۔ ۲۰۰؍روپے
خصوصی زرِ سالانہ: ۲۰۰؍روپے　　بیرونِ ممالک: ۲۵؍امریکی ڈالر
(چیک یا ڈرافٹ پر نام کی جگہ صرف Mohammad Sayeed لکھیں۔ پتہ نہ لکھیں۔ چیک کے ذریعہ زرِ سالانہ ۱۲۵؍روپے ارسال کریں۔ بیرونِ ملک کے لئے ۳۰؍امریکی ڈالر)
IndianOverseasBank-A/CNo.17220100000 1688
IFSC Code-IOBA0001722-Branch-HaripurRoad,Cuttack

پبلیشر و پرنٹر شیخ قریش نے چتا پریس قاضی بازار سے چھپوا کر دفتر ادبی محاذ دیوان بازار کٹک۔ 753001 سے شایع کیا۔

یادوں کی دہلیز سے
سید شکیل دسنوی (مرحوم)

ریشمی لمس ہے پتھر میں دکھاتے جاؤ
جسم سے اپنے یہ جادو بھی جگاتے جاؤ

روند کر مجھ کو ملے گا تمھیں منزل کا نشاں
مجھ کو اک نقشِ کفِ پا سا مٹاتے جاؤ

کسی صورت تحیر کا بھی ٹوٹے یہ طلسم
سینۂ سنگ سے اک پھول کھلاتے جاؤ

کیا عجب کوئی دریچہ کہیں کھل ہی جایے
کوچہ کوچہ یونہی آواز لگاتے جاؤ

کرگیا سنگ مجھے شہرِ تمنا کا طلسم
جی اٹھوں، لمس سے گر مجھ کو جگاتے جاؤ

بشکریہ
ادیبہ کاشف۔ کٹک

ہمارے خصوصی معاونین

اپنی پنشن کی رقم سے ''اخبارِ اڑیسہ'' کا لگایا ہوا پودا اب اللہ کے فضل وکرم سے برگ و بار لاکر سہ ماہی ''ادبی محاذ'' کی صورت میں ارتقائی سفر طے کرنے لگا ہے۔میری تنہا ذاتی کوششوں سے شروع کیا ہوا یہ سفراب 'لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا' کے مصداق ایک ادارے کی شکل اختیار کر گیا ہے جس میں مقامی احباب کے دامے درمے سخنے تعاون کے ساتھ ہی کل ہند اور عالمی سطح پر بھی محبان اردو نے اپنی طرف سے ایک ہزار سے پانچ ہزار تک کے عطیات دیے ہیں اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ان میں سے بعض نے وقفے وقفے سے رقم بھیجتے رہنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔تمام محبان اردو سے گزارش ہے کہ ''ادبی محاذ'' کی خریداری قبول فرمائیں اور اس کی بقا کا ضامن بنیں۔

خصوصی معاونین کے اسمائے گرامی

الحاج محمد ایوب خاں	بھوبنیشور
الحاج سیّدعطائی الدین	بھدرک
الحاج سیّد ڈاکٹر مشتاق علی	کٹک
الحاج مولوی سیّدنذیرالدین صدیقی (ایڈوکیٹ)	کٹک
جناب محمد شاہنواز	بھوبنیشور
جناب عبدالمجید فیضی	سمبل پور
جناب ایم اے احد	بھوبنیشور
جناب محمد اسلم غازی	ممبئی
ڈاکٹر محمد قمرالدین خاں	کٹک
جناب ایس این شیخ	ممبئی
مولوی محمد مطیع اللہ ناز ش	کٹک
جناب شیخ منوراحمد جیبی	دھام نگر (اڑیسہ)
جناب محبّ الرحمٰن وفا	یوڈا،مہاراشٹر
جناب وکیل نجیب	ناگپور
جناب سیّدمحمود رضی الدین	راجستھان
جناب اقبال سلیم۔	بنگلور
جناب ایم حمیدالدین ناز	بیدر
پالوجی ڈاکٹر جاوید حسین	ممبئی

مس انجم ممتاز سلطانہ	بیدر
جناب رفیق شاہین	علی گڑھ
جناب سمیع الحق شاکر	کٹک
ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمی	رانچی
ڈاکٹر جمال الدین احمد	بھوبنیشور
ڈاکٹر کرشن بھاوک	پٹیالہ
سیدفریدمنظرحسن	کٹک
ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی	نیپال
ڈاکٹر قمرالزماں	دھنباد
مولانا پھول محمد نعمت رضوی	مظفرپور (بہار)
جناب ارشد قمر	ڈالٹن گنج
ڈاکٹر ملکہ خورشید	لکھنؤ
حاجی اختر حسین	بیل پہاڑ۔جھاڑسوگڈا
جناب جمال قدوسی	سدھارتھ نگر (یوپی)
جناب شمس الحق شمس (ایڈوکیٹ)	دیوپور (کٹک)
ابوالکمال ظفراحمد (ایڈوکیٹ)	بالیسر
جناب ارشد جمیل	کٹک
جناب شیخ بشیر احمد	کشمیر

جناب نظام مجھولیاوی	مظفرپور (بہار)
جناب رمیش پرساد کنول	پٹنہ
جناب اسحاق عابد	چنئی
ڈاکٹر مختار شمیم	بھوپال
ابرار نغمی	رائسین (ایم پی)
بانومہرسلطانہ بنت حمیدالدین	بیدر (کرناٹک)
جناب جاوید ندیم	ممبئی
جناب فیروز احمد سیفی	نیویارک (امریکہ)
پروفیسر سید محمد استخارالدین	بجنور (یوپی)
الحاج سیدعطائی الدین	بھوبنیشور
جناب سیداولادِ رسول قدسی	امریکہ
جناب سید خادم رسول عینی	بھساول
سبطین پروانہ	کٹیہار (بہار)

قلمکاروں سے گزارش

اپنی تخلیقات ان پیج میں ٹائپ کرکے ای۔میل سے ارسال کریں تو ترجیحی بنیاد پر شائع ہوں گی (ادارہ)

ادبی محاذ کے گوشے

ادبی محاذ میں شاعروں اور ادیبوں کے متعدد گوشے اب تک شایع ہو کر اہلِ ادب سے خراج حاصل کر چکے ہیں۔

آپ کے گوشے کے لیے بھی ادبی محاذ کے صفحات حاضر ہیں۔تفصیل کے لیے اس فون نمبر پر رابطہ کریں۔نمبر ہے:09437067585

عالمی علمی،ادبی اور تحقیقی اردو جریدہ

تخلیق و تحقیق

نگراں۔ڈاکٹر ایم۔نسیم اعظمی　　مدیر۔ڈاکٹر جمیل دوشی

رابطہ۔عدیلہ پبلی کیشنز۔ڈومن پورہ (کساری)

مئو ناتھ بھنجن۔(یوپی)

اس شمارے میں

ہمارے سرپرست — علامہ سید اولادِ رسول قدسیؔ (نیویارک، امریکہ)

ہمارے سرپرست — جناب سید خادمِ رسول عینیؔ (بھساول (انڈیا)

ہمارے سرپرست — جناب رفیق وارث مصباحی (جنوبی افریقہ)

محاذِ اول:

7۔کرونا کال کا سبق.... — قاضی مشتاق احمد

حمد ونعت

8۔ارشد مینا نگری، مہدی پرتاپگڑھی، ظفر اقبال ظفرؔ

9۔ عبدالمجید فیضی، انیس منیری، محمد طفیل احمد مصباحی، شوکت رشیدی

11مہمان شاعر۔ثاقب کلیم

منظومات

12۔ علیم صبا نویدی، ڈاکٹر فرحت حسین خوشدلؔ، سید نور الحسن نور نوابی عزیزی، نیاز علی نیازؔ

13۔ڈاکٹر قمر الزماں، منیر ارمان نسیمی، ''ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمیؔ، محمد مطیع اللہ نازشؔ

مضامین

14۔ایک عہد ساز ادبی شخصیت: شمس الرحمٰن فاروقی ۔ڈاکٹر مظفر مہدی

16۔ایک غزل . — حیرت فرخ آبادی

16۔قطعات — بشیر احمد بشیرؔ

17۔بہار میں بچوں کا ادب — ڈاکٹر احسان عالم

19۔''زنگارِادبؔ'' کا ادیب — ایم نصر اللہ نصر

21۔قطب سرشار کی غزل کا تجزیاتی مطالعہ — محبوب خاں اصغر

23۔ہمارے مولوی صاحب — صادق علی انصاری

25۔مسٹر کورونا وائرس سے انٹرویو — منظور وقار

26۔ماں (منی کہانی) — سبطین پروانہ

26۔ایک قطعہ — عطیہ پروین

27۔بلند پرواز شاعر — ساجد جلالپوری

28۔ایک غزل — ایس کیو عالم طلعت

غزلیات

29۔عبدالمجید فیضی، اڈاکٹر قطب سرشار، انیس منیری، مومن خاں شوق، ابرار نغمی، سرور پنڈولیوی

30۔مہدی پرتاپ گڑھی، ڈاکٹر مسعود جعفری، جمیل فاطمی، ہارون سیٹھ سلیم، قاضی انصار، قاضی سید محی الدین عاجز

31۔حیدر مظہری، ڈاکٹر سیفی سرونجی، ایوب عادل، ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمی، ڈاکٹر نلنی وبھا نازلی، صبیحہ صدف

32۔عزیز خاں عزیزؔ، کے انیس اظہرؔ، شاعر فتحپوری، ڈاکٹر وارث انصاری، رابعہ شرف، نثار فتح پوری

افسانے

33۔خوش دامن — اقبال سلیم

36۔سمندر سراب میں — حنیف سید

38۔ آسودگی کا چراغ — ڈاکٹر کلب حسن حزیں

39۔ایک غزل — غلام سرور ہاشمی

40۔لگاؤ — ترنم جمال

غزلیات

41۔اظہر نیرؔ، منیر سیفی، بدر محمدی، نعمت رضوی، محمد شوکت علی شوکت، سید محمد ابرار

42۔شعیب سخن، ترنم کانپوری، ڈاکٹر شیلیش گپت ویرؔ، انجنا کشش، شیوشرن بندھو ہتھگامی، نسیمہ لکھنوی

43۔حمید عکسی، سبطین پروانہ، محمد ممتاز شعور، منیر ارمان نسیمی، شکیل سہسرامی، عارف محمد عارفؔ

44۔ایڈوکیٹ شمس الحق شمسؔ، عظیم الدین عظیمؔ، عارفہ رخسانہ، کاشف احسن، سمیع احمد ثمرؔ، سید ریحان حسن

45۔ کتابوں کے شہر میں 〈تبصرے〉

مبصرین: عبدالمتین جامی، سعید رحمانی

50۔گوشۂ احباب

52۔طرحی مشاعرہ

55۔ادبی معلوماتی معمہ نمبر۔ا

56۔متفرقات

علامہ سید اولادِ رسول قدسی مصباحی (امریکہ)
سرپرست ادبی محاذ

نعتِ پاک

یاد ان کی آگئی مجھے تسکین مل گئی
سب غم بھلا گئی، مجھے تسکین مل گئی

بادِ صبا درِ شہہِ عالم سے یوں چلی
تن من بسا گئی، مجھے تسکین مل گئی

سرکارِ دوجہاں کی عنایت کی اک نگاہ
قسمت بنا گئی، مجھے تسکین مل گئی

میں تھک کے بیٹھ جاتا مگر ان کی انسیت
ہمت بڑھا گئی، مجھے تسکین مل گئی

سجتے ہی بزمِ ذکرِ نبی گھر میں ہر طرف
تنویر چھا گئی، مجھے تسکین مل گئی

فیضان ہے یہ رب کا، شریعت رسول کی
سب کچھ بتا گئی، مجھے تسکین مل گئی

الفت نبی کی تیرہ و تاریک قلب میں
سورج اگا گئی، مجھے تسکین مل گئی

اک توبۂ نصوح گناہوں کے قصر کو
پل میں گرا گئی، مجھے تسکین مل گئی

عصیاں کے شوق کو شہہِ کونین کی وعید
دل میں دبا گئی، مجھے تسکین مل گئی

ان کے حسین باغِ توسل کی اک کلی
تلخی مٹا گئی، مجھے تسکین مل گئی

چشمِ زدن میں گنبدِ خضرا کی روشنی
آئی سما گئی، مجھے تسکین مل گئی

میں سو رہا تھا خواب میں غفلت کے شاہ کی
سیرت جگا گئی، مجھے تسکین مل گئی

اچھا ہوا کہ شر کے نشیمن کو برقِ خیر
گر کر جلا گئی، مجھے تسکین مل گئی

نعتوں کی چاندنی میں مرے فکر کی قبا
قدسی نہا گئی، مجھے تسکین مل گئی

نعتِ پاک

ربِ اکرم کی عنایت ہم نبی کے ہوگئے
ہوگئی پرنور قسمت، ہم نبی کے ہوگئے

کر نہیں سکتی کوئی طاقت جدا ان سے ہمیں
پر ثبات ایسی ہے نسبت، ہم نبی کے ہوگئے

تم کو اندازہ نہیں ہم کس قدر ہیں سر بلند
ہم پہ نازاں ساری خلقت، ہم نبی کے ہوگئے

ہوتا رہتا ہے فرشتوں میں ہمارا ذکرِ خیر
ہے مسلم شان و عظمت، ہم نبی کے ہوگئے

گردشِ دوراں بھی خائف ہم سے اب رہنے لگی
ان کی ہے یوں چشمِ رحمت، ہم نبی کے ہوگئے

موت آیے گی لگا لیں گے گلے سے ہم اسے
تا کہ ان کی ہو زیارت، ہم نبی کے ہوگئے

جاں گسل روزِ قیامت کا بھلا کیوں خوف ہو
ہوگی آقا کی شفاعت، ہم نبی کے ہوگئے

ہم سجاتے ہی رہیں گے انجمن میلاد کی
یہ ہماری ہے محبت، ہم نبی کے ہوگئے

ہے لبوں پر ذکر ان کا روز و شب صبح و مسا
پڑ گئی اب ایسی عادت، ہم نبی کے ہوگئے

ہیچ ہے کونین کی دولت ہمارے سامنے
اب کسی کی کیا ضرورت، ہم نبی کے ہوگئے

یوں ہے پھیلی ان کی اب یادوں کی خوشبوئے لطیف
بن گیا دل باغِ جنت، ہم نبی کے ہوگئے

کون ہے ہم کو خریدے کس کی ہے اتنی بساط
ہم ہیں بے حد بیش قیمت، ہم نبی کے ہوگئے

صاحبِ عظمت ہیں ہم اور خلد کے حقدار ہیں
ہے یہ قرآں کی شہادت، ہم نبی کے ہوگئے

اس سے بڑھ کر ہم کو قدسی اور بھلا کیا چاہیے
مل گئی خالق کی قربت، ہم نبی کے ہوگئے

غزل

کیا کہوں بار بار سمجھے نا
زندگی ہے ادھار سمجھے نا

ایسا بگڑا ہے وقت کا یہ مزاج
آج ہر گل ہے خار سمجھے نا

اب تو خوشیوں کی منڈیوں میں عجب
غم کا ہے کاروبار سمجھے نا

خون ہی خون وقت کے لب پر
اور گلے میں ہے ہار سمجھے نا

کیوں پریشاں ہو آسرا کے لیے
راستے میں ہے غار سمجھے نا

شب کی صندوق میں سحر کا لباس
ہوگیا تار تار سمجھے نا

ہر طرف بحرِ ضو میں ظلمت کا
اٹھ رہا ہے جوار سمجھے نا

پھول کی چادروں میں ڈھک کر بھی
رو رہا ہے مزار سمجھے نا

دیکھ کر حال دورِ حاضر کا
قلب ہے اشک بار سمجھے نا

اب نہ سن پاؤں گا میں یہ روداد
بس کرو میرے یار سمجھے نا

کیسے قدسی میں پہنچوں منزل تک
ہر طرف ہے حصار سمجھے نا

غزل

لفظ میں جب نہیں سخن کا لحاظ
پھر کرے کون فکر و فن کا لحاظ

خار بلبل سے کر رہا ہے سوال
کیوں نہیں گل میں اب چمن کا لحاظ

ہے کتابوں کا پھیکا رنگ گواہ
شرح کرتی نہیں متن کا لحاظ

خود جو رہتا ہے قیدِ عشرت میں
کیا کرے وہ ستم کے سن کا لحاظ

جس کو میراث میں ملا سب کچھ
اس میں معدوم ہے جتن کا لحاظ

خواب سورج کا رہ گیا تشنہ
کر نہ پائی زمیں کرن کا لحاظ

آہ پر آہ روح بھرتی رہی
لوگ کرتے رہے بدن کا لحاظ

دینِ فطرت کا ہوش اڑنے لگا
دیکھ کر مغربی چلن کا لحاظ

فکر میں مبتلا ہیں نجم و قمر
ابر کرتا نہیں گگن کا لحاظ

چہرہ مرہم نے قدسی پھیر لیا
پر کیا زخم نے جلن کا لحاظ

جنابِ سید خادمِ رسول عینی (بھساول-جلگاؤں)

سرپرست ادبی محاذ

نعتِ پاک

نبی کی مدح سے میرا قلم سنبھل جایے
کرم سے ان کے مسرت میں یہ مچل جایے
کرے نہ وقت کی پابندیوں کی فکر کبھی
بکھیرو زلفِ معنبر تو شام ڈھل جایے
تمام عمر میں کہتا رہوں تمہاری نعت
تمہارے ذکر میں ہی جاں مری نکل جایے
تمہارے اسم میں وہ فاتحانہ قوت ہے
غموں کا دشت اسی نام سے ہی جل جایے
مری حیات کا آنگن سدا رہے روشن
نبی کی یاد کے سانچے میں وقت ڈھل جایے
وسیلہ نزدِ خدا معتبر ہیں میرے نبی
مصیبت ان کی عنایت سے میری ٹل جایے
رسولِ حق کی ہدایت جسے رہے حاصل
وہ کیسے عینی رہِ حق سے پھر پھسل جایے

نعتِ پاک

حضرتِ صدیق نے کیا خوب سمجھا معجزہ
عرش پر سرکار کا جانا ہے اعلیٰ معجزہ

بارشوں کا خوب برسانا نبی کا معجزہ
مصطفےٰ کا پھر انھیں کو روک دینا معجزہ

امتِ عاصی کو سجدے سے ملی ہے مغفرت
میرے سرکارِ دوعالم کا ہے سجدہ معجزہ

پڑھ کے کلمہ دستِ ظالم سے ہوئی آزاد وہ
کنکری نے خوب سمجھا شاہِ دیں کا معجزہ

کرتی ہے سائنس بھی ہر رازِ قرآنی کو فاش
کیوں نہ کہہ دیں،ہم ہے قرآں مصطفےٰ کا معجزہ

معجزہ ہے اک شجر کا ان کے پاس آجانا بھی
اس کا پھر اپنی جگہ پر لوٹ جانا معجزہ

جب لعابِ پاک سے بڑھتی گئی مقدارِ شیر
سب صحابہ نے کہا ہے یہ نرالا معجزہ

گمشدہ سوئی نبی کی مسکراہٹ سے ملی
عائشہ صدیقہ نے دیکھا ہے ایسا معجزہ

ہیں صحابہ اس کے شاہد مصطفےٰ کے حکم سے
بدر میں ٹہنی کا اک تلوار بننا معجزہ

اس سے ہی سیراب عینی سارا لشکر ہوگیا
انگلیوں سے شاہِ دیں کی پانی بہنا معجزہ

غزل

تو پژمردہ پیڑوں کو یوں باثمر رکھ
توانائی دے شاخ کو با اثر رکھ

نہ کر فخر اجداد کے تو شجر پر
تو شاخوں پہ خود کاوشوں کا ثمر رکھ

ہے انکار کرنا بہت سہل و آساں
تو اقرار کا حوصلہ اے بشر رکھ

زمینی حقائق رہیں تیرے آگے
نظر اپنی چاہے سدا عرش پر رکھ

نہ ہوجایے مانند آتش سراپا
مرے دل کی اے جانِ جاناں خبر رکھ

کر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل
یہ جذبہ ہر اک موڑ پر بے خطر رکھ

سبھی کی محبت سما جایے دل میں
تو اس میں ہمیشہ محبت کا گھر رکھ

گہر خود ہی آجایے گا پاس عینی
نہایت پہ منزل کی گہری نظر رکھ

غزل

درد سارے اڑا گیا کوئی
سینے سے جب لگا گیا کوئی

رونقیں اس لیے ہیں چہرے پر
پھر سے جیون میں آگیا کوئی

روکتا ہے گنہہ سے مجھ کو ضمیر
خوش ہوں اس کو جگا گیا کوئی

خواب میں میرے ان کی آمد تھی
نیند سے کیوں اٹھا گیا کوئی

گامزن اس کی راہ پر ہیں سدا
فلسفہ یوں بتا گیا کوئی

غیر میں میرا تھا شمار مگر
مجھ کو اپنا بنا گیا کوئی

میں تھا سجدے میں پشت پر میری
ایک خنجر چلا گیا کوئی

اب بھی اڑتے ہیں وہ فضاؤں میں
یوں پتنگیں اڑا گیا کوئی

چرخ کے لے کے چاند اور تارے
اک کھلونا تھما گیا کوئی

ان کا جلوہ نظر میں آتا ہے
شعر جب بھی کہا گیا کوئی

عینی فولادِ انکساری سے
پوری دنیا جھکا گیا کوئی

جناب رفیق وارث مصباحی (جوہانسبرگ جنوبی افریقہ)
سرپرست ادبی محاذ

نعتِ پاک

مجھ پر کرم یوں سرورِ ذیشان کر گیا   ایماں کو میرے عشق کا عنوان کر گیا
ہجرِ رسولِ پاک میں بہتا ہوا یہ اشک   پیاسی زمینِ دل کو گلستان کر گیا
ان کی عنایتوں کے قمر کا کمالِ حسن   ویران شب کو نور کا سامان کر گیا
میری رہِ ثبات کے ہر خار کو سلام   اوراقِ گل میں وہ مری پہچان کر گیا
طیبہ کی صبح و شام کو جانِ جہانؐ تو   رشکِ بہارؐ شمع شبستان کر گیا
سرکارِ دوجہاں کی شفاعت کا مہرِ تاب   مایوسیوں کے دشت کو ویران کر گیا
ان کے حسین خلق کا اعجازِ نور بار   شر کے صدف کو گوہرِ ایمان کر گیا
میرے سخن کی بزم کو قدسیؔ کا رنگِ فکر   جدت کے گل سے نازشِ ریحان کر گیا

وارثؔ ترے خیال کی رفعت کا آسمان
شاہِ زمن کا تجھ کو ثنا خوان کر گیا

نعتِ پاک

حسنِ کامل کا جو شہکار نظر آتا ہے   اس کا کردار گہر بار نظر آتا ہے
بے مثال ان کا وہ دربار نظر آتا ہے   جس کے سائے میں یہ سنسار نظر آتا ہے
شہرِ طیبہ تری دھرتی کے تقدس پہ نثار   تیرا ہر گل گلِ گلزار نظر آتا ہے
جس کی نسبت سے ملاحشتِ تخیل کو عروج   فن کے گنبد کا وہ معمار نظر آتا ہے
اشک عصیاں کے نہ بہہ جائیں رخِ نیکی پر   مضطرب مجھ سا گنہگار نظر آتا ہے
اے احد عشقِ رسالت میں ترا رنگِ جمال   دل کے درپن میں ضیا بار نظر آتا ہے
ان کے در سے جو ہوا ردوہ جہاں میں ہر سو   در بدر خوارؐ سدا خوار نظر آتا ہے
کہہ رہی ہے یہ عنایاتِ نبی کی بارش   ان کا محتاج بھی مختار نظر آتا ہے

ان کی یادوں کے سمندر میں نہا کر وارث
لمحہ لمحہ ترا ضو بار نظر آتا ہے

غزل

رہتا ہے جو طمع کے سرابوں کے آس پاس   گویا وہ جی رہا ہے عذابوں کے آس پاس
یادوں کے چرخ پر ہمیں نورِ قمر نے آج   بخشا ہے کیف غم کے نصابوں کے آس پاس
اس کی لقا سے روح مہکتی ہے صبح و شام   آیا ہے جب سے میرے وہ خوابوں کے آس پاس
کہتی ہے غم کی دھوپ یہی مجھ سے بار بار   آؤ چلیں سفر پہ سحابوں کے آس پاس
یہ سوچ کر چمن کا پڑوسی بنا ہے درد   کانٹوں کا ہے عروج گلابوں کے آس پاس
دیمک نہ چاٹ جایے متاعِ شعور کو   تم فن کا نیم رکھو کتابوں کے آس پاس
مل جایے گا سکون ترے ہر سوال کو   پاکیزہ فکر گر ہو جوابوں کے آس پاس
کیسے وہ پاسکیں گے صداقت کے جام و بو   جو گھومتے ہیں شر کی شرابوں کے آس پاس
گر ہے طلب تمہاری زباں با اثر رہے   رکھو خلوص اپنے خطابوں کے آس پاس

وارثؔ ہمیشہ اونچی اڑانوں کی مشق کر
جانا ہے تجھ کو دور عقابوں کے آس پاس

غزل

نفرتوں کے مرض کی تو اکسیر ڈھونڈ   یعنی دل کی طہارت کی تدبیر ڈھوونڈ
دشتِ کج فہم میں تو بسیرا نہ کر   عقل کے شہر میں اپنی جاگیر ڈھونڈ
نور اترے گا تجھ میں اے ابرِ سیاہ   تیرگی کے محل میں تو تنویر ڈھونڈ
شاد کردے جو چہرے کو مثلِ گلاب   درد کے آئینے میں وہ تصویر ڈھونڈ
چھوڑ مایوسیاں چل رہِ صبر پر   خوابِ ظلمت کی تاباں تو تعبیر ڈھونڈ
مل ہی جایے گی تجھ کو مرادِ ثمر   اب دعا کے شجر پر تو تاثیر ڈھونڈ
قلبِ تیرہ کو مل جایے جس سے جِلا   ایسی پرنور پاکیزہ تقریر ڈھونڈ
عزم و ہمت کا بن کر چراغِ جنوں   چرخِ انوار پر شاخِ توقیر ڈھونڈ
کرب کی دھوپ سے چاہیے گر نجات   ابر کے سائباں کی تو زنجیر ڈھونڈ

سرفرازی ملے جس سے وارثؔ تجھے
دستِ تدبیر میں ایسی تقدیر ڈھونڈ

قاضی مشتاق احمد

پونے

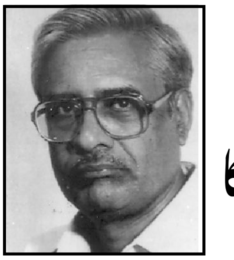

کورونا کال کا سبق: زندگی نام ہے مرمر کے جیے جانے کا

سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوئے ایک عرصہ گزر گیا لیکن آج بھی اس بات پر فخر ہے کہ میں بہت چھوٹی سی حیثیت سے مہاراشٹر سول سروس کا ایک حصہ بنا۔ مہاراشٹر کا شعبۂ انتظامیہ دوسروں کے لیے ایک ماڈل کی حیثیت رکھتا تھا جسے دیکھنے کے لیے دوسری ریاستوں کے نمائندے اکثر آیا کرتے تھے۔ آج جب کووڈ (Covid) سے متعلق بدانتظامی پر ایک جانب سے عدالتیں حکومتوں کو گرفت میں لے رہی ہیں وہیں ممبئی ماڈل کے حوالے سے مہاراشٹر کی تعریف ہو رہی ہے۔ ممبئی ماڈل کی تعریف کرنے والوں میں سپریم کورٹ اور نیتی آیوگ کے سربراہ امیتابھ کانت بھی شامل ہیں۔ 12.3 ملین آبادی والی ممبئی نے دہلی سے کہیں بہتر طریقے سے کورونا وائرس کا مقابلہ کیا ہے۔ اس کا سہرا ممبئی میونسپل کارپوریشن کے اقبال چہل کے سر جاتا ہے۔ انھوں نے ممبئی ماڈل کے ذریعہ کورونا کا مقابلہ کرنے کے لیے جو حکمتِ عملی اپنائی اس کی وجہ سے دوسری لہر سے وہ بہتر طریقے سے نپٹ سکے۔ آکسیجن کا بہتر نظام ان ساری چیزوں میں سے ایک ہے جس کی وجہ سے ممبئی کے کورونا کے یومیہ معاملات ایک ہزار کے آس پاس پہنچ گئے جو کبھی ۱۱ر ہزار سے تجاوز کر گئے تھے۔ پہلی لہر کے درمیان جب ایشیا کی سب سے بڑی جھونپڑ پٹی دھاراوی کی پہچان کورونا کے مرکز کی بن چکی تھی حکومت مہاراشٹر نے ایک سخت فیصلہ کر کے سابق وزیر اعلیٰ دیوندر فڑنویس کے قریبی سمجھے جانے والے پرنسپل کمشنر کا تبادلہ کر کے کمان اقبال سنگھ جیسے ایک سخت گیر افسر کو سونپی۔ انھوں نے پہلے دن سے ہی دھاراوی اور ممبئی کی دیگر جھونپڑ پٹیوں کا پیدل دورہ کرنا شروع کیا اور اس طرح ایک ناممکن نظر آنے والے ٹاسک کو خوش اسلوبی سے انجام تک پہنچایا۔ ممبئی کے اسپتالوں میں مریضوں کے داخلے کے نظام کو بھی اچھے طریقے سے نافذ کیا۔ ممبئی میں ۲۴ر وارڈ کے لیے ۲۴ر کنٹرول روم بنائے گئے۔ جتنے بھی ٹسٹ رزلٹ آئے انھیں مرکزی کنٹرول روم میں وارڈ کی سطح پر الگ الگ کیا گیا اور پھر انھیں وارڈ کے کنٹرول روم میں بھیجا گیا۔ ان سبھی کنٹرول رومس کو ڈاکٹر اور میڈیکل اسٹاف کے ساتھ ایمبولنس کی سہولیات فراہم کی گئیں۔ ان اقدامات کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

مریضوں کی تعداد کم ہو جانے پر عارضی اسپتالوں کو بی ایم سی انتظامیہ نے بند کر دیا۔ کووڈ لہر کے خلاف بی ایم سی کی مہم میں نجی اسپتالوں کے ۵۰ر فیصد بیڈ اپنی نگرانی میں لینے کے فیصلے نے بھی کلیدی رول ادا کیا۔ جب دوسری لہر نے حملہ کیا تو اس فیصلے کو پھر سے بحال کر دیا گیا۔ شہر میں ۲۱ر آکسیجن پلانٹس لگائے گئے۔ اس سے آکسیجن کی فراہمی کا کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ ممبئی میں عام سلنڈر کی جگہ جدید سلنڈر کا استعمال ہوا۔ اسپتالوں میں ''آکسیجن نرس سسٹم'' نافذ کیا گیا۔ اس سسٹم کے تحت ہر مریض کا آکسیجن لیول ۹۶ر تک رکھنے کی ذمہ داری دی گئی تھی۔ مسلسل نگرانی کی وجہ سے ضرورت کے حساب سے ہی آکسیجن کا محدود استعمال ہوا۔ جمع خوروں پر شکنجہ کسا گیا۔ ممبئی شہر کے نگراں وزیر اسلم شیخ کے مطابق

''شہریوں کے تعاون'' انتظامیہ کی مستعدی اور بہترین منصوبہ بندی کے سبب ممبئی میں کورونا پر قابو پایا جا سکا۔ رکن اسمبلی ابراہیم اعظمی اور امین پٹیل نے وزیر اعلیٰ کی بہتر حکمتِ عملی، عوام کی بیداری اور محلوں کے پرائیویٹ ڈاکٹروں کی ملی جلی کوششوں کو بھی سراہا ہے۔

عام طور پر سرکاری افسران ''سسٹم'' میں کوئی تبدیلی کا خطرہ مول نہیں لیتے۔ ادھر ہمارے ملک کا سسٹم انگریزوں کا بنایا ہوا ہے۔ اس میں وقتاً فوقتاً چند معمولی تبدیلیاں ہو سکتی ہیں۔ یہاں ان کی تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں ہے۔ کورونا کال نے ہمیں اپنی زندگی کو ذاتی اور اجتماعی خانوں میں تقسیم کرنے کا ایک موقع دیا ہے۔ ہم جس عہد میں سانس لے رہے ہیں ہر قدم پر گونا گوں مسائل ہیں۔ ہم آزمائش کے ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں جس کا ہر لمحہ بڑا قیمتی ہے۔ فی الوقت تو ہماری تمام تر توجہات و ترجیہات اپنی ذاتی یا خاندانی زندگی کی فکر و فلاح تک محدود رکھنا ضروری ہے۔ ہم قیادت کی قلت کے نوحہ گر ہیں۔ لیکن کب تک آپ گھر میں بیٹھے بیٹھے چھاتی پیٹتے رہیں گے۔ ہماری نئی نسلوں میں تعلیم و تربیت کی کمی تشویش ناک ہے۔ انتشار، پسماندگی اور بدعنوانی کی شکایتیں اپنی جگہ ملازمتوں میں ہمارے تناسب کی کمی کا شکوہ بھی بجا لیکن کیا ہماری ترقی کے راستے مسدود ہو چکے ہیں؟ ہماری نسل کے جیالے کب تک سوشل میڈیا پر ڈالی جانے والی بے مطلب پوسٹوں کے مطالعہ میں اپنا وقت ضائع کرتے رہیں گے؟ شعر و ادب سے متعلق پوسٹوں کا جائزہ لیں تو ان میں بیشتر غیر سنجیدہ خود نمائی اور خود تشہیری کا غلبہ نظر آئے گا۔ اس دلدل سے باہر نکلنے کی ضرورت ہے

آپ کو اپنا زیادہ تر وقت اپنے افرادِ خاندان کے ساتھ ان کے فرینڈ، فلاسفر اور گائیڈ بن کر گزارنا ہوگا۔ بچوں نے اب ''آن لائن'' تعلیم و تربیت کے سارے گر سیکھ لیے ہیں۔ اگر آپ کے بچے کسی خاص شعبۂ حیات میں دلچسپی رکھتے ہیں تو ان کی ہمت فزائی اور رہبری ضروری ہے۔ آج خصوصاً دیہی علاقوں میں طبی سہولت کا فقدان ہے۔ لوگ ''جھولا چھاپ'' ڈاکٹروں سے علاج کرانے پر مجبور ہیں۔ اخباری خبروں کے مطابق اتر پردیش میں طبی سہولیات کی شکایت بھی پولیس کیس کو دعوت دینے کے مترادف ہوگئی ہے۔ ٹائمز آف انڈیا کی ایک رپورٹ کے مطابق طبی سہولت کے فقدان کی شکایت کرنے والے افراد کے خلاف میڈیا کو غلط معلومات فراہم کرنے کی پاداش میں کیس درج کرلیا گیا۔ گوتم بدھ نگر کے ایک گاؤں میں نیم کے درخت کے نیچے چارپائی پر لٹا کر کووڈ کے مریضوں کا علاج کیا جارہا تھا۔ ثابت یہ ہوتا ہے کہ ملک میں ڈاکٹروں کی قلت ہے۔ اس لیے جو طلبہ مڈیکل فیلڈ میں جانا چاہتے ہیں وہ سائنس میں فزکس، کیمسٹری اور بائیولوجی پر زیادہ توجہ دیں۔ ادھر ابھی سے ایم بی بی ایس اور بی یو ایم ایس میں داخلہ کے لیے ہونے والے انٹرنس امتحان NET کی تیاری کریں۔ والدین اگر کم تعلیم یافتہ ہیں تب بھی وہ اپنے بچوں کی ضروریات اور صحت کا خیال رکھ کر ان کے مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔ کیریر کے امتحان سے قبل اس کے متعلق معلومات حاصل ہونا ضروری ہے۔ شعبۂ خدمات (Health Care) میں سات آپشنز ہیں۔ اردو اخبارات دعوت، انقلاب (تعلیمی) میں کیریر گائیڈنس پر بہت اچھے مضامین آتے ہیں۔ لیکن ہمارے اردو معاشرے میں اردو اخبارات وسائل خرید کر پڑھنے کا رجحان نہیں ہے۔ اس لیے بچے کیریر کے معاملے میں رہنمائی سے محروم رہ جاتے ہیں۔

میرا ایک مضمون ''بچوں کی دنیا'' میں آیا تھا جس میں میں نے اپنے بچپن کے حوالے سے یہ لکھا تھا کہ میری تعلیم میونسپل اردو اسکول میں ہوئی ہے۔ اس کے باوجود میں نے مہاراشٹر پبلک سروس کمیشن کے مقابلہ جاتی امتحانات میں حصہ لے کر کامیابی حاصل کی ہے۔ میری بات تو پرانی ہوچکی لیکن آج بھی اردو ذریعۂ تعلیم کے فارغین مقابلہ جاتی امتحان میں شریک ہوکر کامیابی حاصل کر رہے ہیں۔ اگر طلبہ اپنی مادری زبان کی غیر نصابی کتابوں کا مطالعہ کریں تو ان کی معلومات میں یقیناً اضافہ ہوگا۔ مجھے خوشی اس وقت ہوئی جب مالیگاؤں سے ایک پاورلوم چلانے والے مزدور نے مجھے فون پر بتایا کہ میرا مضمون پڑھ کر اس نے اپنی بیٹی کو مقابلہ جاتی امتحان میں شریک ہونے کے لیے راضی کرلیا ہے اور اسے ہائی اسکول کے زمانے سے انگریزی اور علاقائی زبان میں اچھی تعلیم دلانے کا انتظام کرلیا ہے۔ گرودیو ٹیگور نے کہا ہے کہ ''موسمِ خزاں میں کسی ایک درخت کی ایک ٹہنی بھی ہری ہوگئی تو یہ موسمِ بہار کی جیت ہے''۔

پتہ نہیں کورونا وبا کی وجہ سے پابندیوں کا یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس آپتّی (آفت) کو ایک ''بہترین موقع'' سمجھ کر اس کا صحیح استعمال کریں جیسا کہ ہمارے برادرانِ وطن کر رہے ہیں۔ اب تو اردو ذریعۂ تعلیم کے طلبہ کو بھی کمپیوٹر، انٹرنیٹ، اسمارٹ فون وغیرہ سے واقفیت ہوگئی ہے۔ آن لائن تعلیم، آن لائن امتحانات بھی اب کوئی نئی بات نہیں رہی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہماری نئی نسل کس حد تک Webinar سے مستفید ہورہی ہے؟ افسانچوں میں زبان و بیان کی غلطیاں، کہانی کے عنوانات میں تضاد؟ چلئے مانا کہ یہ آپ کے ادبی ذوق کے لیے ٹھیک ہے مگر اس پر کتنا وقت صرف کیا جایے؟ آپ میں سے کتنے نوجوانوں نے سوشل میڈیا پر پروفیشنل ویڈیو بنا کر ویبینار (Webinar) میں حصہ لے کر کچھ نیا سیکھا ہے؟ TravelPhotography پر ویبینار بعنوان Getting Starved With Travel Photography ہو رہے ہیں۔ کیا آپ کو اس بارے میں کچھ معلومات ہے؟ پونے میں واقع مہاراشٹرا اکادمی آف نول ایجوکیشن اینڈ ٹریننگ (MANET) میں داخلہ کے لیے ملک گیر سطح پر جیسے احمد آباد، بھوپال، دہلی، حیدرآباد، لکھنؤ، ممبئی، ناگپور، پونے، پٹنہ، جبلپور، رانچی وغیرہ مقامات پر انٹرنس امتحان کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے آپ اس ویب سائٹ سے استفادہ کرسکتے ہیں:۔ www.manetpune.com۔ بی کام کرنے کے بعد کمپنی سکریٹری کا کورس کرنے کے لیے یہ ویب سائٹ ہے: www.bsebti.com مرچنٹ نیوی میں کیریر سازی کے لئے ویب سائٹ ہے: www.imu.edu.in۔ مقابلہ جاتی امتحان میں رہنمائی کے لیے اب تو ہر شہر میں کلاسیس موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر کتابیں بھی دستیاب ہیں۔

خواتین کے کیریر سازی کے لیے بھی بہت سے مواقع ہیں۔ خواتین اپنے گھر میں بیٹھ کر بھی بہت سے شعبہ جات میں کام کرسکتی ہیں۔ لاک ڈاؤن اور دوسری پابندیوں کی وجہ سے ہوٹل اور ریسٹورانٹ بند رہتے ہیں۔ اس لیے ہوم ڈیلیوری کے ذریعہ کھانا منگوانے کا رواج چل پڑا ہے۔ خواتین کے لیے یہ اچھا موقع ہے کہ وہ گھر میں کھانا پکوا کر ہوم ڈیلیوری کے ذریعہ سپلائی کرکے آمدنی کی راہ ہموار کرسکتی ہیں۔ کورونا وبا ایک آفت ضرور ہے اور گمان کیا جارہا ہے کہ اس کے ساتھ ہمیں ایک طویل عرصے تک رہنا ہے۔ اس لیے احتیاطی تدابیر کے ساتھ اس ''ناپسندیدہ ساتھی'' کو برداشت کریں۔ مگر...

اپنے ہی سایہ سے ہم ڈر گئے ہیں
لوگ زندہ ہیں ہم مر گئے ہیں

☆☆☆

حمد و نعت

ارشد مینانگری

مکان نمبر-51 مومن پورہ- مالیگاؤں
ضلع ناسک

حمد باری تعالیٰ

ظلمات میں ہمیشہ چمکے جوبن کے جگنو   مہکائے سارا عالم سرمست جس کی خوشبو

مولا ترے کرم نے بخشی زبان اردو

احساس دلبری کا اظہار خوش روی کا   جلوہ یہ دلکشی کا 'مژدہ یہ دل لگی کا

یک لخت مات کھایے اس سے ہر ایک جادو
مولا ترے کرم نے بخشی زبان اردو

ظلمت میں چاندنی سا پرنور اس کا جلوہ   پھولوں کی لطافت سے مسرور اس کا لہجہ

الفاظ اس کے ایسے جیسے چھنکتے گھنگرو
مولا ترے کرم نے بخشی زبان اردو

ممتاز لشکری کا نغمہ ہے اس کو حاصل   دنیا کی ہر زباں کے الفاظ اس میں شامل

ہر دل میں اس کی چاہت' چرچا ہے اس کا ہر سو
مولا ترے کرم نے بخشی زبان اردو

انفاس میں رواں ہے ارشدؔ مدام یوں ہی   میدانِ زندگی میں ہے تیز گام یوں ہی

دوڑے ہے صحرا صحرا مستی میں جیسے آہو
مولا ترے کرم نے بخشی زبان اردو

مہدی پرتاپ گڑھی

28-SchoolWard.Partapgarh(U.P)

دعا

اے خدا اے خدا اے خدا رحم کر
ساری دنیا کے فرمانروا رحم کر
تو نوازش کی برسات کرتا رہا
میرا دامن سعادت سے بھرتا رہا
مجھ سے حق بندگی کا ادا کب ہوا
سجدۂ شکر اب تک نہ مجھ سے ہوا
ہر کٹھن مرحلہ تو نے آساں کیا
ہر قدم پر بڑھایا مرا حوصلہ
ذہن میں میرے کھولا ہے دانش کا در
ہر نظر میں مجھے کردیا معتبر
دی زباں جس سے میں تیری مدحت کروں
دی بصارت کہ قدرت تری دیکھ لوں
دی سماعت کہ میں ذکر تیرا سنوں
یوں عنایت کی ڈالی ہے تو نے نظر
کردیا ہے مرا ہر عمل معتبر
اے خدا کر عطا مجھ کو علم و ہنر
اور دعاؤں میں آ جایے میرے اثر
سارے عالم پہ حاوی ہے کرسی تری
کرتا حاجت روائی ہے مخلوق کی
درگزر کر مری ہر خطا اے خدا
مانگتا ہوں میں تجھ سے دعا اے خدا

ظفر اقبال ظفر

170,Khaildar.Fatehpur-212061(U.P)

میں ظلمتوں میں گھرا ہوں نکال دے مجھ کو   نگل نہ لیں یہ اندھیرے اجال دے مجھ کو
جو تیری ذات کا عرفاں مجھے عطا کردے   اک ایسا آئینۂ بے مثال دے مجھ کو
میں دشمنوں کی صفیں چیرتا گزر جاؤں   وہ حوصلہ' وہ جگر' وہ کمال دے مجھ کو
مرا وجود ہے پژمردہ پتیوں کی طرح   بکھر نہ جاؤں کہیں میں سنبھال دے مجھ کو
حیات میں ہیں مسلسل صعوبتیں درپیش   ہے زخم زخم بدن اندمال دے مجھ کو
میں وہ ندی ہوں گناہوں نے پی لیا ہے جسے   تو نیکیوں کے سمندر میں ڈال دے مجھ کو

عبدالمجید فیضی

12/106,Nayapara
Sambalpur-768001(Odisha)

ہیں مہبطِ قرآن رسولِ عربی — سرمایۂ ایقان رسولِ عربی
ہیں منبعِ عرفان رسولِ عربی — اللہ کی پہچان رسولِ عربی
ہیں مصدرِ فیضان رسولِ عربی — ہے جاں مری قربان رسولِ عربی
تخلیق کے عنوان رسولِ عربی — کونین کے سلطان رسولِ عربی
ایمان کی میزان رسولِ عربی — ہیں پیکرِ فرقان رسولِ عربی
معراج کی شب آپ سرِ عرشِ بریں — اللہ کے مہمان رسولِ عربی

☆ ☆

ہے مصحفِ قرآن نبی کی صورت — سرچشمۂ ایمان نبی کی صورت
ہے جلوۂ انوار خدا کا مظہر — آئینۂ عرفان نبی کی صورت

☆ ☆

یہ مہرِ فروزاں یہ نظارے چمکے — یہ ماہِ منور یہ منارے چمکے
کسبِ تنویر کیا ہے سب نے — جب شہہِ دین ہمارے چمکے

محمد طفیل احمد مصباحی

At/Post:SubhampurKatoria
Via:Amarpur.Dist:Banka-813101
Bihar.Mob-8416960925

ممدوح خدا صاحبِ اوصافِ حمیدہ — اے محرمِ اسرار تری ذات ستودہ
قسامِ نِعَم مصدرِ الطاف و عنایت — دریائے سخا منبعِ افضال وحیدہ
نعتِ شہہِ بطحا کی بہاروں کی بدولت — ہے باغِ تخیل کا ہراک پھول دمیدہ
ہے جس سے معطر یہ گل وغنچۂ امید — ''گلزارِ براھیم'' کے ہو وہ گلِ چیدہ
مہتاب بکف رات ترے گیسو کا صدقہ — خورشید بکف دن ترے جلوؤں سے ہویدا
سرکار کے دربارِ گہر بار میں دیکھو — جبریل کا سر فرطِ عقیدت سے خمیدہ
للہ کرم کیجئے اے سیدِ عالم — رنج وغم وآلام سے ہے قلب تپیدہ
یہ آپ کی تبلیغ کا ثمرہ ہے یقیناً — مسلم جو ہے من جملۂ اقوامِ رشیدہ
قرآن میں مرقوم ہیں اوصاف تمہارے — اے جانِ بیاں، جانِ غزل، جانِ قصیدہ
میخانۂ مرشد کا ہے فیضان کہ احمدؔ — ہے عشق شہہِ دیں کا مئے ناب چسیدہ

انیس منیری

1,HusainSahebKiChali
AnsarNagar.RakhailRoad
Ahmedabad-380023(Gujrat)

سرورِ سروراں — ناخدائے جہاں
رہبرِ رہبراں — حق نگر کامراں
آپ کا خانما — گلستاں بوستاں
خالقِ انس و جاں — آپ کا مدح خواں
حامئ بے کساں — شافعِ عاصیاں
حالِ دل حالِ جاں — آپ پر ہے عیاں
اہلبیت آپ کے — نور و نکہت نشاں
آپ کی ہر گلی — ہمسرِ کہکشاں
سیر کے واسطے — وسعتِ لامکاں
اے شہہِ دوسرا — آپ جیسا کہاں
ہر بشر نے کہا — مہرباں مہرباں
آپ جس جا رہے — رحمتیں ہیں وہاں
لب کشا جب ہوئے — گفتگو دُر فشاں
دینِ حق کے لیے — آپ روحِ رواں

طاقتِ ایماں کردے دوبالا اے خدا
قوتِ عرفاں کو کردے حقیقت آشنا
سینۂ چاکانِ چمن سے آملیں سب سینہ چاک

شوکت رشیدی

DewanBazar.Cuttack(Odisha)

رحمتیں برستی ہیں اس قدر مدینے میں
کاش ہو قیام اپنا عمر بھر مدینے میں
ہستئ جہاں کیا ہے خلد کے دریچے سے
رات دن صبا آئے جھوم کر مدینے میں
دیکھتا ہی رہتا میں روز گنبدِ خضرا
ہمنشیں اگر ہوتا میرا گھر مدینے میں
کیوں نہ ناز ہوان کو وہ نصیب والے ہیں
صبح وشام ہے جن کا مستقر مدینے میں
آرزو یہی میری کب سے دل میں ہے شوکتؔ
ختم زندگانی کا ہو سفر مدینے میں

مہمان شاعر

ثاقبؔ کلیم

اس کالم میں شمولیت کے لیے مختصر سوانحی خاکہ، پانچ غزلیں اور اپنی تصویر ارسال کریں۔ اس ضمن میں مزید تفصیلات کے لیے اس نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ 09437067585

تعارف

ادب کے عصری منظر نامہ میں ثاقب کلیم ایک جواں فکر شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ پورا نام ہے محمد ثاقب عالم ہے۔ رامپارہ، کٹیہار بہار میں ان کی ولادت ۱۹۹۲ء میں ہوئی۔ مدرسہ بورڈ سے مولوی پاس کرنے کے بعد بہار ایجوکیشن بورڈ سے انٹر کا امتحان بھی پاس کیا ہے۔ سرِ دست نجی کاروبار سے منسلک ہیں اور شعر و شاعری کا مشغلہ بھی جاری ہے جس کا باقاعدہ آغاز انھوں نے ۲۰۱۲ سے کیا ہے۔

شاعری میں وہ اکثر و بیشتر الحاج ماسٹر حافظ کلیم الدین، ڈاکٹر انور ایرج اور سبطین پروانہ صاحبان سے صلاح و مشورہ کرتے ہیں۔

شعری سفر اگرچہ ایک قلیل مدت کو محیط ہے لیکن ان کی شاعری کو دیکھ کر ان کے روشن مستقبل کی پیش قیاسی کی جا سکتی ہے۔ اگر وہ اسی طرح مشق و مزاولت جاری رکھیں تو بہت جلد ادبی حلقوں میں اپنی شناخت بنا لیں گے۔ غزل کے شاعر ہیں لیکن حمد، نعت منقبت کے علاوہ قطعات گیت وغیرہ بھی کہتے ہیں۔

ان کی غزلوں میں جمالیات کی شبنمی ٹھنڈک بھی ہے تو عہدِ حاضر کے سلگتے صحرا کی تمازت بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔ مجموعی طور پر ان کی غزلیں انسانی زندگی اور اسے درپیش مسائل کی آئینہ دار ہیں جن سے شاعر کی عصری حسیت کا پتہ چلتا ہے۔

1

درد و غم سے آشنا ہو جایے گا
عشق میں جب مبتلا ہوجایے گا
سامنے جب دوسرا ہو جایے گا
وہ نظر میں بے وفا ہو جایے گا
شک کی بیماری جو پیدا ہوگئی
دو دلوں میں فاصلہ ہو جایے گا
زلزلے دل کی زمیں میں آئیں جب
دیکھنا پھر کیا سے کیا ہو جایے گا
دہشتیں پھیلایے گا کوئی مگر
نام ثاقبؔ آپ کا ہو جایے گا

2

جیون میں اقرار کہاں ہے
دل میں کسی کے پیار کہاں ہے
نفرت کی منڈی ہے ہر سو
الفت کا بازار کہاں ہے
جس سے جیون کھل اٹھتا تھا
سچائی وہ یار کہاں ہے
آنکھیں تو بیدار ہیں لیکن
دل میرا بیدار کہاں ہے
تیری باتوں پر اے بھائی
ثاقبؔ کو تکرار کہاں ہے

3

راہ بر آپ ہیں کارواں آپ ہیں
جب سے آنکھیں کھلیں مہرباں آپ ہیں
میں تمازت سے محفوظ ہوں آج بھی
اس کڑی دھوپ میں سائباں آپ ہیں
اب کسی سے بھی امیدِ راحت نہیں
دل یہ کہتا ہے تسکینِ جاں آپ ہیں
خوشبوؤں سے معطر سراپا ہوں میں
ایک مہکا ہوا گلستاں آپ ہیں
محفلوں میں پہنچ کر اے ثاقب سدا
ڈھونڈتی ہیں نگاہیں کہاں آپ ہیں

4

یہ مصیبت سہی نہیں جاتی
آنکھ سے بھی نمی نہیں جاتی
زندگی بے بسی میں کٹتی ہے
گھر سے کیوں مفلسی نہیں جاتی
جھوٹ کہنے کی جس کو عادت ہے
بات سچی کہی نہیں جاتی
سب سے ملتا ہے سرد مہری سے
اس کی یہ بے حسی نہیں جاتی
اس طرح دے رہا ہے چلّو میں
دیکھ ثاقبؔ کی تشنگی نہیں جاتی

5

پاس آکر مسکرایا کیجئے — دوستی سب سے نبھایا کیجئے
عاشقی یوں ہی نہیں ہوتی کبھی — عشق میں دل کو جلایا کیجئے
منزلِ مقصود پانا ہے اگر — عزم صادق دل میں لایا کیجئے
کوئی منظر دل کو بھاتا ہی نہیں — حسن کی قربت میں آیا کیجئے
یہ بھی نیکی کا بڑا اک کام ہے — راہ سے پتھر ہٹایا کیجئے
آپ ثاقبؔ دوستوں کو بھی ذرا — راز الفت کا بتایا کیجئے

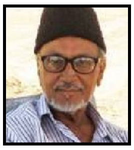

علیم صبا نویدی

192,triplicaneRoad
2ndFloor,FlatNo-16
RiceMandiStreet,Chennai

ایک سانیٹ

بہ زبان شمس الرحمٰن فاروقی

مجھ کو پہچان نئے عہد کا سرمایہ ہوں
مجھ سے قائم ہے ہراک دور کے ماتھے کی شکن
ہے معطر میری سوچوں سے زمانے کا بدن
ہر نظارہ میری آنکھوں سے جنم لیتا ہے
میرا احساس اندھیروں کو مٹا دیتا ہے
مرے افکار نے روکا کئی طوفانوں کو
میری چاہت نے منور کیا ارمانوں کو
کتنے ارمانوں کی سوغات لیے آیا ہوں

مجھ سے پہلے بھی کئی آیے تھے میری ہی طرح
مجھ میں جو کچھ بھی ہے پوشیدہ وہ اوروں میں نہیں
مجھ سا روشن کوئی چہرہ یہاں چہروں میں نہیں
مٹ گئے کتنے یہاں بجھتے لکیروں کی طرح

میں صحیفہ ہوں کئی صدیوں پڑھا جاؤں گا
غالب و میر کی دنیاؤں پہ چھا جاؤں گا

ڈاکٹر فرحت حسین خوشدلؔ

+2,Zila School'Hazaribagh
Jharkhand

ماں

والدہ محترمہ سیدہ طاہر علی مرحومہ کے نام

ماں وہ لفظ مہرباں ہے
جس کی عظمت کا بیاں
لفظ میں ممکن کہاں
اس کی جو تقدیس ہے
سارے عالم پر عیاں
ماں کے قدموں کے تلے
جنت ہے یہ واضح بیاں
اپنے بچوں کو بھی وہ
ہر حال میں رکھتی ہے یاد
ماں ہے وہ دولت عظیم
جس سے دل یہ شاد ہے
ماں کی ہی آغوش میں
پاتے ہیں سب زندگی

ماں نے ہی مجھ سے کہا
رب کی کر تو بندگی
بندگی میں رب کی ہی
حق کی ہوگی آگہی
ماں کی عظمت کا بیاں
مرقوم ہے قرآن میں
لفظِ ماں سے دوستو
مجھ پہ یہ عقدہ کھلا
ماں ہے لفظِ مہرباں
جس کی عظمت بیکراں
کیا کرے خوشدلؔ بیاں

سید نور الحسن نورؔ نوابی عزیزی

QazipurSharif
Dist:Fatehpur(U.P)

دوبیتیاں

۱

رنگوں کا آبشار تھی ہرایک کی جبیں
ہر سمت محوِ رقص تھا اک جامِ انگبیں
محفل میں اور لوگ بھی موجود تھے مگر
اکتاہٹیں ہمارے ہی نزدیک آگئیں

۲

اس سمت آرزوئے سفر اپنا رخ کرے
جس سمت خوشبوؤں کی ڈگر اپنا رخ کرے
بزمِ خلوص ہے یہاں، اہلِ خلوص ہیں
کہہ دو نفاق سے نہ ادھر اپنا رخ کرے

۳

نگارِ صبح ہے کیا چیز، حسنِ شام ہے کیا
بجھا ہو دل تو کوئی موجِ خوش خرام ہے کیا
برس گئے تو ندامت کے اشک کہلایے
برس نہ پایے جوان آنسوؤں کا نام ہے کیا

۴

خستہ مینارِ آگہی ہوں میں
شہرِ ویران کی گلی ہوں میں
کسی دیوارِ غم پہ لٹکی ہوئی
ایک تصویرِ یاس کی ہوں میں

نیاز علی نیاز

Akola.ChudiMahal(M.S))
Mob-9595194822

!

ہاتھ اور پاؤں سے مجبور تھے ہم کیا کرتے
وہ بہت دور بہت دور تھے ہم کیا کرتے
جن مراحل سے گزرنا ہمیں منظور نہ تھا
وہ مراحل انھیں منظور تھے ہم کیا کرتے

۲

سپاہی ایسے کہ سردار بیچ کر آیے
عجیب لوگ تھے دستار بیچ کر آیے
گئے تھے ہم بھی اِدھر سے اُدھر یارو
کوئی یہ بول دے کردار بیچ کر آیے

۳

ادھر ادھر کہیں جانے سے کچھ نہیں ہوگا
فضول جان کھپانے سے کچھ نہیں ہوگا
عمل کی راہ سے ملتے ہیں منزلوں کے نشاں
کسی کو پیر بنانے سے کچھ نہیں ہوگا

ڈاکٹر قمرالزماں
SBI, MTPS, DVC.Colony
Bankura-722183(W.B)

متوالی

غضب سوجھی ہمارے یار کو سوجھی تو کیا سوجھی
ٹھٹھرتی ٹھنڈ میں اک رات کھانے کی ہوا سوجھی
بجاتے سیٹی جاتے تھے، کبھی کچھ گنگناتے تھے
دگرگوں حال تھا اپنا مگر اس کو ادا سوجھی
دہائی جو لگے دینے ہمیں لٹکا دیا الٹا
دُکھایا دل ہمارا تو، یہی اس کی دوا سوجھی
کہا: ''تم باغ سے مہندی کے پتے توڑ کر لاؤ''
اچانک رات کو اس کو لگانے کی حنا سوجھی
گرے جو پیڑ سے ہم کو خراشیں لگ گئیں گننے
لگے آہیں جو بھرنے ہم تو مرنے کی دعا سوجھی
یہ کیسی بے نیازی اس کی فطرت میں سمائی ہے؟
جو سوجھی دل لگانے کی تو غفلت بارہا سوجھی
عجب سیماب فطرت ہے زماںؔ معشوق متوالی
دکھایا دردِ دل اپنے تو دینے کی سزا سوجھی

منیر ارمان نسیمی
ChhotaShankarpur
Bhadrak-756100(Odisha)

مجھے شاعر نہ کہو.....!!

دن بھر پھیری لگاتا ہوں
لفظوں کے حسین گلدستے اور......
جذبوں کے مہین تاروں سے بنے کھلونوں کو
احساس کی رسی سے باندھ کر
اپنے سر پر لادے
رشتوں کی گلیوں میں ہانک لگاتا پھرتا ہوں
ہونٹوں پہ جھوٹی مسکان سجایے
دنیا کو منہ چڑاتا ہوں
مجھے شاعر نہ کہو.........
ایک مزدور ہوں میں
دن بھر پھیری لگاتا ہوں

☆☆☆

ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمیؔ
RahmatColony.Doranda
Ranchi-834002

نذرِ جناب سعید رحمانی

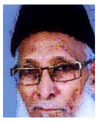

خلوص و مہر کے پیکر سعید رحمانی
ادب شناس سخنور سعید رحمانی
مدیرِ اعلیٰ ہیں ادبی محاذ کے وہ بھی
زبانِ اردو کے دلبر سعید رحمانی
وہ شعر کہہ کے مسخر دلوں کو کرتے ہیں
ہیں ایک اچھے سخنور سعید رحمانی
نکال لاتے ہیں مفہوم کے گہر اکثر
ہیں ایک اچھے شناور سعید رحمانی
وہ ٹال دیتے ہیں ہر غم کو مسکراہٹ سے
ہیں زندگانی کا مظہر سعید رحمانی
انھیں پسند نہیں بیٹھنا خموشی سے
عمل و جہد کے خوگر سعید رحمانیؔ
وہ اپنی ذات میں ہیں انجمن میاں بزمیؔ
ادب کی راہوں کے رہبر سعید رحمانی

محمد مطیع اللہ نازشؔ
D/203,Sector-6,C.D.A,Cuttack

سائلنس زون

ہسپتال، کورٹ، لائبریری
سائلنس زون کے دائرے میں آتے ہیں
شہرِ خموشاں بھی ان میں سے ایک ہے
گزرتی گاڑیاں اچانک ہارن بجاتی ہیں
تو مریض اچھل پڑتے ہیں
مطالعہ میں غرق قارئین چونک کر
آئیۃ الکرسی پڑھنا شروع کر دیتے ہیں
سونے والوں کی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے
مگر اسکولی بچے اسے چھٹی کا گھنٹہ سمجھ کر
خوش ہو جاتے ہیں
اپنی اپنی بستنی سمیٹ کر
والدین کا انتظار کرنے لگتے ہیں
کچھ لوگ کہتے ہیں
آواز زندگی کی علامت ہے
اور خاموشی موت کی
دنیا شور شرابوں اور ہنگاموں کی جگہ ہے
اور خلا میں
چاند، ستاروں، سیاروں اور کہکشاؤں پر
خاموشی کا راج ہے
یہ کرۂ ارض جو ہمارا مسکن ہے
اس میں گونجتی آوازیں
زندگی میں ہمہ رنگی پیدا کرتی ہیں
پھر بھی خاموشی اپنی جگہ اہم ہے
اسی لئے دانشوروں نے کہا ہے
سائلنس از گولڈن
نازشؔ ضروری ہے کہ باتونی مت بنو
خاموشی اختیا کرو
یہی عقل مندی کی نشانی ہے

☆☆☆

ڈاکٹر مظفر مہدی، امریکہ

فن و شخصیت

ایک عہد ساز ادبی شخصیت۔ شمس الرحمٰن فاروقی

موت و حیات کا سلسلہ ازل سے قائم ہے۔ شاہ و گدا سبھی کو ایک نہ ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہوتا ہے لیکن یہ بھی سچائی ہے کہ بعض لوگ مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ ان کے کارنامے ان کو ہمیشہ کے لیے امر بنا دیتے ہیں۔ تاریخ میں ان کا نام محفوظ ہو جاتا ہے۔ اردو کے مایہ ناز فنکار و نقاد شمس الرحمٰن فاروقی ایسے ہی لوگوں میں سے ایک ہیں جو اگرچہ اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ لیکن ان کے کارنامے تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہو گئے ہیں۔ بظاہر یہ اردو شعر و ادب کا زبردست خسارہ ہے اور موجودہ وقت میں دور دور تک ان کی خالی جگہ پُر ہوتی دکھائی نہیں پڑتی ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کو یہ امتیاز و مقام کیوں کر ملا اس کی تفصیلات آگے چل کر آئیں گی۔ ان کے قریبی اور جانکار لوگ بتاتے ہیں کہ انہوں نے ہر طرح کی سیاسی آلائشوں سے اپنا دامن بچائے رکھا اور پوری یکسوئی اور تندہی کے ساتھ اپنے تنقیدی، تخلیقی اور تصنیفی کاموں میں لگے رہے اور ادبی سمندر میں غوطہ لگا کر ایسے ایسے موتی نکال کر لاتے رہے کہ پوری اردو دنیا ان کی خداداد صلاحیتوں کی گرویدہ ہوتی چلی گئی اور ان کو اپنے سر آنکھوں پر بٹھایا۔ ایسی محبت اور عزت کم ہی لوگوں کے حصہ میں آتی ہے۔ فاروقی کو موجودہ دور میں اردو کا سب سے بڑا نقاد تصور کیا جاتا ہے۔ اہل علم و ادب کی جانب سے ان کے سر پر عظمت و بلندی کا تاج سجانا یہ ان کی مقبولیت و انفرادیت کی روشن دلیل ہے، نہ کہ کسی سرکاری لطف و عنایت کی مرہون منت۔ مشہور شاعر سحر انصاری کا یہ شعر فاروقی کے علمی و ادبی کردار کی ہو بہو ترجمانی کرتا ہے۔

فصیل شہر میں پیدا کیا ہے در میں نے
کسی بھی باب رعایت سے میں نہیں آیا

فاروقی کے ایک دوست اور ممتاز ناقد فضیل جعفری نے اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے ایک موقع سے کہا تھا کہ ''فاروقی اور ہم نے ایک ساتھ کام شروع کیا تھا مگر جتنا اور جیسا کام انہوں نے کیا وہ مثالی بن گیا''۔

یہ فاروقی کی مقبولیت ہی تھی کہ ان کے انتقال کے بعد ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کسی نے ان کو ''استاد ہمہ وقت'' قرار دیا تو کسی نے ان کی موت کو ایک ''بجھتے ہوئے سورج'' سے تعبیر کیا۔ شمس الرحمٰن فاروقی کوئی معمولی آدمی نہیں تھے بلکہ وہ غیر معمولی شخصیت کے مالک تھے۔ وہ زمانہ شناس بھی تھے اور عہد ساز بھی تھے۔ انہوں نے اپنی جدت طبع سے جو فکری جوت جگائی تھی وہ جگ ظاہر ہے۔ فاروقی کو قدرت نے زندگی کی لمبی مہلت دی تھی جسے انہوں نے نعمت خداوندی سمجھ کر ہر ہر منٹ اور گھنٹے کا حساب رکھا اور اس کا پورا پورا فائدہ اٹھا کر اردو شعر و ادب کو اتنا کچھ دیا کہ اس طرح کی مثال ذرا کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی عہد جدید میں اردو ادب کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ ان کی موت محض ایک جید نقاد دانشور اور ممتاز فنکار کی موت نہیں بلکہ ان کی موت سے ایک عہد اور ایک دور کا خاتمہ ہوا ہے کیونکہ وہ اپنے آپ میں ایک انجمن، ایک تحریک اور ادبی دبستان کا درجہ رکھتے تھے۔ فاروقی سے اختلاف کی گنجائش ہمیشہ رہے گی۔ اختلاف کیے بھی جاتے رہے ہیں۔ اختلاف اگر صحت مند ہو تو یہ نعمت ہے۔ یوں بھی ادب ریاضی کا کوئی فارمولا نہیں ہوتا کہ جہاں لوگ ایک طے شدہ فارمولا پر کام کرتے رہیں۔ یہ ذہن میں رہے کہ الگ الگ فکر و نظریات سے ادب کے دامن میں وسعت و کشادگی پیدا ہوتی ہے۔ رنگارنگی آتی ہے اور حسن پیدا ہوتا ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی جدیدیت کے بانی و امام تھے۔ انہوں نے اردو ادب میں نئے نظریہ کو فروغ دیا اور اسی نظریہ کے استحکام کے لیے ''شب خون'' جیسے اہم ادبی رسالہ کا اجرا کیا اور یہ جب تک نکلتا رہا اسکی ادارت خود ہی اپنے مضبوط ہاتھوں میں رکھی۔ یہ ادبی جریدہ کوئی عام سا جریدہ نہیں تھا بلکہ یہ نئی نسل کی ادبی ''تربیت گاہ'' بھی تھا۔ یہ ایک فکر کا نمائندہ تھا جسے ہم جدیدیت یا ''فاروقی فکر'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس میں لوگوں کی تخلیقات کا شائع ہو جانا ایک ادبی ضمانت یا ادبی سند کا درجہ رکھتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں نیاز فتحپوری کے رسالہ ''نگار'' کو بھی یہی مقام حاصل تھا۔ بہر کیف جدیدیت، فاروقی اور ''شب خون'' ایک ہی سکہ کے الگ الگ نام ہیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی کو ''شب خون'' کی مقبولیت اور اہمیت کا احساس ہمیشہ ہی رہا۔ چنانچہ وہ ''شب خون'' کے مخالفوں کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''آخر دم تک ''شب خون'' کی مقبولیت تو کچھ اور ہی کہتی ہے۔ اس مقبولیت کا

ایک شمہ بھی ان رسالوں کو حاصل نہ ہوسکا جو ''شب خون'' یا اہل شب خون کی قدر کم کرنے کے لیے.............کیے گئے تھے۔'' (پیش لفظ جدیدیت کل اور آج اور دوسرے مضامین۔ص۱۰)

یہاں ''نگار'' اور ''شب خون'' کے ساتھ ہی ماہنامہ ''معارف'' (بانی مولانا سید سلیمان ندوی) کا اگر ذکر کر لیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ تقریباً ایک صدی سے اپنے پورے وقار کے ساتھ مسلسل شائع ہو رہا ہے اور علمی خدمات انجام دے رہا ہے۔

بہرحال جدیدیت سے قبل اردو شعر و ادب میں یکسانیت اور جمود و تعطل کی جو صورتحال پیدا ہوگئی تھی۔ جدیدیت کی آمد سے اس میں بڑا بدلاؤ پیدا ہوا اور نئے دور کا آغاز ہوا۔ یہ بدلاؤ مثبت اور منفی دونوں سطحوں پر ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ جو زندہ ادب ہوتا ہے وہ عالمی اور غیر عالمی سطح کی نئی نئی تحریکوں، رجحانوں اور انقلابوں کے اثرات کو قبول کر کے اپنے دامن میں وسعت لاتا ہے۔ اردو ادب نے بھی ہمیشہ ہی ایک زندہ و فعال ادب ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ مثلاً کبھی ترقی پسندیت تو کبھی جدیدیت اور اب مابعد جدیدیت کا غلغلہ سنائی دے رہا ہے۔

اردو کی تنقیدی تاریخ پر نظر ڈالنے سے ماننا پڑتا ہے کہ حالی سے شمس الرحمٰن فاروقی تک اردو تنقید کا کارواں ہمیشہ ترقی کی راہ پر گامزن رہا ہے۔ ہمارے سبھی ناقدین نے اردو میں تنقید کو اپنی خداداد صلاحیتوں سے معتبر اور بلند سے بلند تر کیا ہے لیکن ان حقائق کے باوجود فاروقی کئی معنوں میں اپنے پیش رووں سے کچھ الگ نظر آتے ہیں۔ ان کی ادبی خدمات کا دائرہ تنقید کے علاوہ بھی کئی اور اصناف ادب پر محیط نظر آتا ہے۔ ان سے قبل کے اور ان کے معاصرین میں سے بعض نے تنقید کے علاوہ شاعری اور زیادہ سے زیادہ افسانوں پر توجہ دی لیکن ان کی اصل شہرت تنقید کی وجہ سے ہی ہوئی جبکہ فاروقی کا معاملہ قدرے مختلف دکھائی پڑتا ہے۔ انہوں نے اپنی مشہور کتاب ''افسانوں کی حمایت میں'' تو کتاب کے نام کے برعکس صنف افسانہ کی شدید مخالفت و مذمت کی حتیٰ کہ اس صنف کو ''ایک ناکارہ صنف ادب'' قرار دیا جن کے باعث ان کی مخالفت بھی ہوئی لیکن بعد میں جب موقع ملا تو افسانوں کی تنقید چھوڑ کر بقول فاروقی خود افسانے لکھنا شروع کر دیے۔ اور کئی لاجواب افسانے لکھ کر ''سوار'' کے نام سے اپنا افسانوی مجموعہ پیش کر کے لوگوں کو مبہوت کر دیا۔ فاروقی کے افسانہ ''سوار'' اور دوسرے افسانے اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

فاروقی تو صنف ناول کے ہمیشہ قائل رہے لیکن شاید کسی کو بھی امید نہیں تھی کہ وہ انتہائی خاموشی کے ساتھ ''کئی چاند تھے سر آسماں'' جیسا ضخیم اور شاہکار ناول پیش کر کے اردو دنیا کو حیرت زدہ کر دیں گے۔ بقول انتظار حسین: ''مدتوں بعد اردو میں ایک ایسا ناول آیا ہے جس نے ہند و پاک کی ادبی دنیا میں ہلچل مچا دی ہے''۔

برا ہو اردو کی ادبی سیاست کا کہ گیان پیٹھ ایوارڈ کا مستحق ناول اس سے محروم کر دیا گیا۔ جہاں تک ان کی شعری تخلیقات کا تعلق ہے تو اس میدان میں بھی انہوں نے ادبی دنیا کو متاثر کیا ہے۔

فاروقی مرحوم کی امتیازی شان یہ رہی ہے کہ انہوں نے تصنیف و تالیف کے جن جن موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اسے عروج پر پہنچا دیا ہے۔ ان کی مشہور کتاب ''تفہیم غالب'' غالب کے منتخب اشعار کی تشریحات میں بھی ان کا منفرد رنگ دیکھنے کو ملتا ہے تو دوسری جانب میر تقی میر کے مطالعہ پر اترتے ہیں تو ''شعر شور انگیز'' کی چار وقیع جلدیں پیش کر کے میر شناسی کو اتنی بلندی پر پہنچا دیتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ یہ بھی فاروقی کے معرکتہ الآرا کاموں میں شمار کیا گیا، ان کے اس کام کا اعتراف کرتے ہوئے ''سرسوتی سمان'' جیسا بلند پایہ ادبی ایوارڈ سے انہیں نوازا گیا۔ ان کے علاوہ ان کی بے حد اہم کتاب ''شعر، غیر شعر اور نثر'' جو ان کے مخصوص نظریات کی بنیاد گذار کتاب کہی جاتی ہے آج بھی لوگوں کے ذہن میں محفوظ ہے۔ ان کے علاوہ فاروقی کے تبصرے، داستان، نعت گوئی اور عروض کے علاوہ بھی دوسرے کئی کام ان کی منفرد صلاحیتوں کی غماز ہیں۔

فاروقی کو اپنی تہذیب اور روایات اور اپنی اردو زبان سے ہمیشہ سے ہی گہرا لگاؤ رہا ہے۔ چنانچہ جب اردو کے مشہور محقق گیان چند جین کی اردو کے خلاف فتنہ انگیز کتاب منظر عام پر آئی تو اردو کے حلقہ میں ایک کہرام سا مچ گیا۔ درجنوں قلم کاروں نے اپنے اپنے طور پر ان کو جواب دے کر اردو کا دفاع کیا۔ فاروقی بھی گیان چند جین کی اردو دشمنی سے بے حد افسردہ ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بھی جین کی شر انگیزی کا ایسا مسکت جواب دیا کہ ہر چہار طرف سے اردو دنیا نے ان کو آفریں کہا۔

قدرت کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ جو زندگی کے جس شعبہ سے متعلق ہوتا ہے وہ اسی شعبہ زندگی سے اپنا آئیڈیل تلاش کر لیتا ہے اور اس کی اقتدا کرتا ہے۔ اس کے جیسا بننا چاہتا ہے یا اپنی پسندیدہ شخصیت کی کچھ خوبیوں سے استفادہ کر کے آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ زندگی میں یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ عالمی زبانوں کے ادب میں بھی اس کی بڑی مثالیں ملتی ہیں اور اردو ادب کا دامن بھی ایسی مثالوں سے خالی نہیں ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی بلاشبہ ایک عہد ساز شخصیت کے مالک تھے لیکن اس کے باوجود اردو کے ممتاز ناقد و فنکار محمد حسن عسکری ان کے آئیڈیل رہے ہیں یوں انہوں نے پروفیسر آل احمد سرور کو بھی محترم رکھا اور ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ خود ان کے ہی الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

''تنقید کے میدان میں آل احمد سرور بھی مجھے بہت وثوق انگیز، یقین افروز اور مقتدر (Authoritative) اور راہ راست پر معلوم ہوتے ہیں۔ ہاں محمد حسن عسکری کی علمیت کے ساتھ ان کی خود اعتمادی، مغربی اور فرانسیسی ادب، ان کی فوری اور بے تکلف شناسائی کسی اور ہی عالم کی چیز تھی............محمد حسن عسکری اردو کے واحد نقاد ہیں جن کی تحریر پڑھ کر میری ہمت چھوٹ جاتی تھی کہ بھلا میں اس طرح کب اور کس طرح لکھ پاؤں گا۔''
(جدیدیت کل اور آج اور دوسرے مضامین۔ص۸۲)

ایک دوسرے مقام پر محمد حسن عسکری کا یوں ذکر کرتے ہیں: ''مدت گزری محمد حسن عسکری نے ''دیباچہ غرۃ الکمال'' کا ذکر اپنے خطوط میں مجھ سے کیا تھا۔ اس وقت میرا دھیان دوسری چیزوں میں تھا...............اگر عسکری صاحب کی زندگی میں ہی اس کتاب کو پڑھتا تو کئی مسائل پر ان سے مزید روشنی حاصل ہو سکتی تھی۔ موت نے انہیں فرصت ہی نہ دی ورنہ ان مراسلات کے کئی سال بعد جب دیباچہ میرے ہاتھ لگا اس وقت اگر عسکری صاحب حیات سے ہوتے تب بھی وہ کچھ خاص سن رسیدہ نہ ہوتے اور میں ان سے بہت کچھ سیکھ سکتا تھا''۔(جدیدیت کل اور آج۔ص۸۳)

رسالہ ''شب خون'' کے قاریوں کو غالباً شب خون کا وہ شمارہ یاد ہوگا جس میں شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنا نام حسن عسکری کے تقریباً ڈیڑھ درجن سے زائد خطوط اکٹھے شائع کر کے اپنی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا تھا۔ جنہیں پڑھ کر یہ تاثر پیدا ہوتا تھا کہ جیسے حسن عسکری استاذ بن کر فاروقی کو درس دے رہے ہیں۔ نیز عسکری نے اپنے انہیں خطوط میں فاروقی کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ لوگ حالی کی طرح آپ کو بھی یاد رکھیں گے، آپ بہت قیمتی کام کر رہے ہیں۔

مذکورہ مطالعہ سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی نے ہمیشہ ہی اپنی ذہانت اور خداداد صلاحیت سے ہر طبقہ کو کم وبیش متاثر کیا ہے۔ اردو کے سخت گیر نقاد پروفیسر کلیم الدین احمد جن کی میزان پر نہ تو اردو تنقید پوری اتری نہ ہی اردو کے ناقدین، لیکن جہاں تک فاروقی کا تعلق ہے تو وہ اپنی کم عمری کے باوجود کلیم الدین احمد کو اپنی جانب متوجہ کرانے میں کامیاب نظر آتے ہیں اور ان سے اپنی صلاحیت کا اعتراف کروا لیتے ہیں۔ پروفیسر کلیم الدین احمد یوں لکھتے ہیں:

''اب رہیں شمس الرحمٰن صاحب کی تنقیدیں تو میں ان پر کچھ لکھنے سے پرہیز کرنا چاہتا تھا، اس لیے کہ ابھی ان کی عمر ہی کیا ہے.............وہ ابھی بہت کچھ لکھیں گے اور جو کچھ لکھا ہے اس سے بہتر ہی لکھیں گے۔ ان کا مطالعہ وسیع ہے۔ وہ بہت باصلاحیت ہیں، ان کی زبان تنقید کی زبان ہے۔ وہ مغربی تنقید سے متاثر ہوئے ہیں۔..............ان کے پیش نظر عالمی ادب ہے اور مغرب و مشرق کے درمیان وہ حد فاصل قائم نہیں کرتے.............''۔(اردو تنقید پر ایک نظر۔ کلیم الدین احمد۔ص۴۴۳)

مختصر یہ کہ اردو کا ادبی طبقہ اپنے تحفظات ذہنی اور نظریاتی اختلاف کے باوجود آج فاروقی کی کمی محسوس کرتا ہے اور نہ جانے مستقبل میں یہ سلسلہ کب تک قائم رہے گا۔ آخر میں مشہور شاعر امجد نجمی کا یہ شعر نقل کر کے اپنی بات ختم کرنا چاہوں گا۔

بلبل رنگیں نوا خاموش ہے
باغ کی ساری فضا خاموش ہے

☆☆☆

حیرت فرخ آبادی
KhoslaHouse.NorthOfficePara
Doranda.Ranchi-2

ایک غزل

اپنی ناکامی پہ مجھ کو ناز ہے
یہ بھی میرے عشق کا انداز ہے
منزلیں سب راستہ بنتی گئیں
طائرِ دل مائلِ پرواز ہے
کون دیتا ہے صدا تنہائی میں
کچھ نہیں یہ خود مری آواز ہے
جس کو تو سمجھا ہے ناداں نغمگی
یہ تو تیری زندگی کا ساز ہے
زندگی میں لطف سا آنے لگا
کم نگاہی کا تری اعجاز ہے
سر جھکا جاتا ہے حیرت خود بخود
ان کی ہی شاید یہ بزمِ ناز ہے

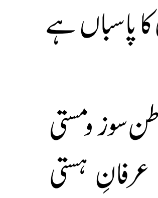

بشیر احمد بشیر
NishatManzil.WardNo-13
Akhyarabad.Kishtwar-182204
(J&K)

قطعات

دلِ بیدار صدرِ لامکاں ہے
یہی اسرارِ حق کا رازداں ہے
یہی انوارِ حقانی کا مسکن
یہی بزمِ جہاں کا پاسباں ہے

☆

جہانِ رنگ و بو ظاہر پرستی
جہانِ قلب و باطن سوز و مستی
وہ فتنہ اور ظلمت کا ہے ساماں
یہ نورِ معرفت عرفانِ ہستی

☆☆☆

ڈاکٹر احسان عالم
پرنسپل الحراء پبلک اسکول، دربھنگہ
Mob:9431414808:

بہار میں بچوں کا ادب: کل اور آج
(ڈاکٹر منصور خوشتر کی عمدہ ترتیب)

ڈاکٹر منصور خوشتر المنصور ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ کے سکریٹری ہیں جو وقت کے ساتھ کچھ نہ کچھ کرنے میں یقین رکھتے ہیں۔ ان کا ذہن کمپیوٹر کے پروسیسر (Processor) کی طرح ایکٹیو رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ ان کی یہ منفرد کتاب ''بہار میں بچوں کا ادب: کل اور آج'' ہے۔

انسان کی زندگی جستجو کے گرد گھومتی ہے۔ اپنے بچپن سے ہی یہ خوبی ہر انسان میں پائی جاتی ہے۔ ہر شئے کے لئے تجسس، چیزوں سے متاثر ہونے کی صلاحیت، نتیجہ اخذ کرنے اور نقل کرنے کی قابلیت اپنے نقطۂ عروج پر ہوتی ہے۔ یعنی انسان اپنے بچپن میں بہت حساس ہوتا ہے۔ بچپن میں وہ جن چیزوں کو دیکھتا ہے اس کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ جن چیزوں کا وہ استعمال کرتا ہے ان کے متعلق مکمل معلومات حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ وہ اپنے بڑوں سے طرح طرح کے سوالات کرتا ہے۔ ان کے کچھ سوالات بڑوں کو بھی حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ ایسے ہی سوالات کا جواب دینے کی خواہش ڈاکٹر منصور خوشتر کے دل میں ہوئی۔ انہوں نے قومی کونسل برائے فروغ اردو کے مالی تعاون سے ''بہار میں بچوں کا ادب'' پر سیمینار کرانے کا فیصلہ لیا۔ سیمینار سے قبل ان کے دل میں یہ ہلچل پیدا ہوئی کہ کیوں نہ دانشوران اردو سے مضمون قلمبند کرایا جائے اور اسے کتابی صورت عطا کی جائے۔ ان کی اس سوچ وفکر نے کتاب ''بہار میں بچوں کا ادب: کل اور آج'' کی ترتیب مکمل کرائی۔

ڈاکٹر منصور خوشتر نے اپنے پیش لفظ میں لکھا ہے:

''بہار میں بچوں کا ادب لکھا گیا ہے لیکن تنقیدی نظر ڈالنے کی پہل بہت کم ہوئی ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن غوثی کی ایک کتاب ۲۰۰۵ء میں آئی تھی جس میں ان کے رسالہ ''مسرت'' کے حوالے سے زیادہ مواد تھا۔ کل اور آج تک کے مواد کو سمیٹنے کی کوشش میں نے کی ہے اور ادب اطفال ادیبوں اور شاعروں کی کاوش کو سامنے لانے اور تنقیدی نظر ڈالنے کی کاوش سامنے آرہی ہے۔''

کتاب کا پہلا مضمون معروف ادیب اور شاعر پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا ہے۔ اپنے اس مضمون میں انہوں نے بچوں کے حوالے سے کئی معلوماتی باتیں پیش کی ہیں۔ ملاحظہ کریں ان کے مضمون سے ایک مختصر اقتباس:

''بہار کے حوالے سے اردو میں بچوں کے لئے جتنا ادب لکھا گیا ہے ان کے مطالعہ سے بچے یقینی طور پر مہذب، بااخلاق، صحت مند اور سلیقہ شعار بنتے ہیں، صحت وسیرت اور آداب ولحاظ کی کاوشیں ابھرتی ہیں اور معاشرتی اقدار کا اثر نمایاں ہوتا ہے۔ بچوں کے لئے بہار کے قلمکاروں کے ذریعہ ایسی تمام کہانیوں اور منظومات سے ہمت، عزم، حوصلہ، جرأت اور حاضر دماغی کی صفات، نظم وضبط اور تناسب وتوازن کا استحکام، محفوظ، خوشگوار اور تہذیب یافتہ تربیت، قومی اور ملی جذبہ، سماجی شعور، بھائی چارگی، رحم دلی، ہمدردی، اخوت، شرافت، انکساری، کسر نفسی، عزت و احترام کی خصوصیات سامنے آتی ہیں۔''

پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی نے دوسرا مضمون ''بچوں کے لئے عبدالمنان طرزی کی نظموں میں کیفیت کی تشریح'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ پروفیسر طرزی کی شخصیت، شاعری اور بچوں کے شاعر کے طور پر چند اہم نکتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''عبدالمنان طرزی نے بچوں کے ذہنی سطح کو سامنے رکھ کر سبک اور نازک الفاظ کا استعمال کیا ہے تاکہ لفظ روشنی بن سکے اور سچائی کا اظہار حسن کے ساتھ ہو سکے۔ جس کا تعلق ذہن اور دل کی گہرائی سے ہے اور واقفیت حاصل کرنے سے ہے۔ ان کی ایک نظم ''کتاب'' کے عنوان سے ہے۔ جس کے چند اشعار پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی نے پیش کئے ہیں۔ ملاحظہ کریں:

خزانہ چھپا جس میں یہ قیمتی۔ ہمیں دیتی ہے اس کی کنجی کتاب
وہ کر دیتی ہے ہم کو گمراہ بھی۔ نہیں کام کی ہوتی ساری کتاب
اگر لائبریری بنائیں گے ہم۔ رہے گی فقط اس میں اچھی کتاب

اردو زبان وادب کے معروف ادیب شاہد جمیل نے ''بچوں کے لیے ثوبان فاروقی کی جاسوسی کہانیاں'' کے عنوان سے ایک پُر مغز مضمون قلمبند کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ثوبان فاروقی کا نام جدید شاعری کے معتبر شعراء میں آتا ہے۔ وہ بہار کے ویشالی ضلع کے حاجی پور سے تعلق رکھتے تھے جہاں ایک کالج میں اردو کے پروفیسر

تھے۔ان کا شمار ''شب خون'' میں لکھنے والے ''انتہا پسند جدیدیوں'' میں ہوتا تھا۔ یہ حیران کن ہے کہ نظم وغزل کے کسی مجموعے کی بجائے ان کی پہلی کتاب جو شائع ہوئی وہ بچوں کی جاسوسی کہانیوں پر مشتمل ایک تصنیف ''رحمان کے کارنامے'' تھی۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بچوں کے ادب میں ان کی گہری دلچسپی تھی۔

معروف نقاد حقانی القاسمی ''بچوں کے ظفر کمالی'' کے عنوان سے اپنا مضمون تحریر کیا ہے۔ان کی تحریریں کافی جامع اور رواں دواں ہوا کرتی ہیں۔ظفر کمالی کی نظموں کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''ظفر کمالی کی نظموں کو اگر بچے کی نظر سے دیکھا جائے تو صرف وہی نظمیں قابل قبول ٹھہریں گی جن میں بچوں کے جذبات، ان کے خواب اور خواہشات کی مکمل ترجمانی ہوگی اور جن میں بچوں کو متاثر کرنے والے صوتی اثرات بھی ہوں گے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو ظفر کمالی نظم ''چک بم چک بم'' بچوں کی پہلی پسند ہوگی کیونکہ چک بم میں جو صوتی اثرات ہیں وہ بچوں کی سماعت اور ذہن کو متاثر کرتے ہیں۔ظفر کمالی کی نظم کا ایک بند ملاحظہ کریں:

محنت ہم کو پیاری ہے
اس سے ہم کو یاری ہے/خوابوں کی بیداری ہے
آگے بڑھنا جاری ہے
چک بم چک بم چک بم بم
اچھے سچے بچے ہم

ڈاکٹر سید احمد قادری نے ''بہار میں بچوں کا اردو ادب: ایک مختصر جائزہ'' کے عنوان اپنا مضمون لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بہار میں بچوں کے ادب سے متعلق کسی نے یہ لکھا ہے کہ آزادئ ہند سے قبل بہار بچوں کے ادب سے خالی ہے۔ میں یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہوں، بلکہ یہ مانتا ہوں کہ تقسیم ہند سے قبل ہی بہار میں بھی بچوں کے ادب کی بہتر صورت حال تھی جو تقسیم ہند کے بعد بتدریج اردو زبان کی زبوں حالی کی نذر ہوگئی اور اس وقت بہار میں بچوں کے ادب کا باضابطہ کوئی رسالہ ہے اور نہ ہی یہاں کے اسکولوں میں شامل نصابی کتابوں کے درس وتدریس کا بہتر نظم ہے۔

معروف نقاد اور شاعر ڈاکٹر جمال اویسی ''بچوں کا ادب: کیوں، کیسے اور کس لئے'' کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ آج مجھے نہ جانے کیوں اس بات کا شدید احساس ہو رہا ہے کہ بچوں کے ہاتھوں سے موبائل سیٹ چھین کر ان کے ہاتھوں میں ایسے رسائل دیں جن کی زبان سہل اور سریع الفہم ہو تاکہ بچوں کی شخصیت میں کچھ مثبت اقدار روشن ہوسکیں۔ادب اطفال کے نام پر کتابیں آج بھی لکھی جارہی ہیں، لیکن ان کو پڑھنے والا کوئی نہیں ہے۔ یہ کتابیں بھی ادبی کتابوں کی طرح پکی عمر کے لوگوں میں تقسیم کی جاتی ہیں اور شاید پکی عمر کے لوگ انہیں اس لئے نہیں پڑھتے کہ یہ ان کے فائدے کی چیز نہیں۔تو پھر ادب اطفال کی بحالی کیسے ہو۔

ڈاکٹر عطا عابدی نے قارئین کو بچوں کی کتابوں سے متعارف کرایا ہے۔ اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''ادب اطفال پر نظر ڈالیں تو نظم ونثر میں کئی اہم شعراء وادباء کی نظمیں اور کہانیاں ملتی ہیں۔ان میں سے چند شعراء وادبا ایسے بھی ہیں جنہوں نے بڑوں کے ساتھ ساتھ بچوں پر بھی خاص توجہ کی اور ان کے لئے اپنی تحریروں کے مجموعے بھی ترتیب دیے، شائع کئے۔''

ڈاکٹر امام اعظم ''مناظر عاشق ہرگانوی اور بچوں کے لئے سبق آموز کہانیاں'' کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ موجودہ عہد میں بچوں کے ادب کے سلسلے میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا نام ناقابل فراموش ہے۔ جہاں اس قدر بے اعتنائی ہو اور ذہنی تربیت سے غفلت برتی جارہی ہو وہاں کوئی بھی کارنامہ یا کوئی بھی تخلیق اگر سامنے آتی ہے تو یہ مان لینا چاہئے کہ جس ادیب نے اس جانب توجہ دی ہے وہ بالغ نظر ہے۔ اس کا خلوص بے پناہ ہے۔ ادب سے اس کی وابستگی گہری ہے، آنے والی نسلوں سے اسے ہمدردی ہے اور زبان کی خدمت کا جذبہ اس کی رگ وپے میں ہے۔ ڈاکٹر ہرگانوی کا شمار اسی قبیلے کے لوگوں میں کیا جاتا ہے۔

رفیع حیدر انجم نے شاہد جمیل کا مقام ادب اطفال میں تعین کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں شاہد جمیل کو ایک ایسا فن کار تصور کرتا ہوں جنہوں نے سن شعوری سے قرطاس وقلم سے دوستی کرلی تھی۔ ایسی ہی دوستی ایک قلم کار کو مستقبل میں اعلیٰ تخلیق کار بننے کا راستہ دکھاتی ہے۔ شاہد جمیل نے چودہ پندرہ سال کی عمر میں بچوں کے لئے نعت لکھی جو ''غنچہ'' بجنور میں شائع ہوئی۔

ڈاکٹر قیام نیر نے بچوں کے ادب میں کہانیوں کا تذکرہ بہار کے تناظر میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کہانی سننا بچوں کی فطرت میں شامل ہے۔ جب وہ چھوٹا ہوتا ہے تو اپنی ماں اور گھر کے بوڑھے بزرگ سے کہانیاں سنتا ہے اور بے حد خوش ہوتا ہے۔ ان کہانیوں میں اصلاح کا پہلو پوشیدہ ہوتا ہے۔ بچے جب کچھ بڑے ہوتے ہیں تو خود بھی کہانی سنتے ہیں اور سنی ہوئی کہانیوں کو دوسرے کو سنا کر فخر محسوس کرتے ہیں۔

راقم الحروف (ڈاکٹر احسان عالم) نے دربھنگہ کے ایک معروف شاعر ذکی احمد چندن پٹوی کے حوالے سے اپنا مضمون تحریر کیا ہے۔ ذکی احمد کی تخلیقات میں ایک بڑی تعداد بچوں پر تحریر کی گئی نظموں کی ہے۔ انہوں نے پوری زندگی ایک معلم کی حیثیت سے درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔ انہوں نے اپنے کلاس روم سے باہر بچوں سے مکالمہ کرانا چاہا۔ اس مکالمہ کے لئے انہوں نے منظوم پیرایۂ اظہار کو چنا۔

(بقیہ صفحہ ۲۴ پر)

ایم۔نصراللہ نصر
SHALIMAR APARTMENT
3/A SATYEN BOSE ROAD
BLOCK - C BAKULATA
HOWRAH -711109 (W.B)
Mb. No.-- 9339976034

’’زنگارِادب‘‘ کا ادیب ــــ ڈاکٹر عبدالحلیم انصاری

ادب نگاری کوئی فیشن نہیں کہ جو چاہے اپنالے یا اس اوکھلی میں سر ڈال دے ۔یہ ایک مجاہدانہ عمل ہے۔کافی حوصلہ،امنگ ، محنت،لگن، وقت ،مطالعہ اور صرفہ کا طالب ہے ۔صبر وتحمل اور نیک نیتی بھی اس کے تقاضے میں شامل ہیں۔ نیز تعلیمی و علمی لیاقت بھی اس کا لازمی حصہ ہے۔ سلیقۂ تحریر سے واقفیت بھی ضروری ہے ۔اس نکتۂ نظر سے جب ہم نے عبدالحلیم انصاری کے مجموعۂ مضامین کو پڑھا اور پرکھا تو یہ محسوس ہوا کہ انہیں کوئی بڑی سند تو نہیں دی جاسکتی مگر کم آنکنا بھی ان کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا۔اس لئے کہ ان کی تحریر اور طرز تحریر میں دم ہے ۔انہوں نے جن کے بارے میں بھی لکھا ہے انہیں کافی مطالعہ کیا ہے۔مواد اکٹھا کیا ہے، پرکھا ہے اور اپنی بساط فہم کی کسوٹی پر کسا بھی ہے پھر کچھ لکھنے کی جسارت کی ہے ۔ان کی تخلیقات وتصنیفات فیشن زدہ نہیں ہیں۔ اپنی تحریروں میں انہوں نے اپنی شناخت کو قائم رکھا ہے ۔اچھے کمنٹس کیے ہیں، اچھی بحث اور مناسب گفتگو بھی کی ہے۔نہ کسی کی جانب داری کا پاس رکھا ہے اور نہ کسی سے دشمنی نکالی ہے ۔نیک نیتی سے کام لیا ہے ۔یہی وہ صفات ہیں جن کی بنیاد پر میں ان کے سلسلے میں کچھ خامہ فرسائی کرنے پر مجبور ہوا۔

ان کی پہلی کتاب ’’زنگارِادب‘‘ زیر مطالعہ ہے ۔پہلے تو میں عنوان ہی پر کافی دیر تک سوچتا رہا کہ آخر یہ کیا بلا ہے۔سوچا کوئی بہت اہم بات ہوگی۔غور وفکر کے بعد سمجھ میں آیا کہ اس کے معنی ’’ادب کا آئینہ‘‘ ہے۔واقعی یہ ایک خاص آئینہ ہے۔خاص اس لحاظ سے کہ جس مضمون کو بھی میں نے اس آئینے میں دیکھا اور پڑھا اس میں ادبی تحقیق کی مہک کا احساس بخوبی ہوا۔ یہ بھی لگا یہ سارے مضامین کافی سنجیدگی سے لکھے گئے ہیں۔

اس کتاب میں کل بارہ مضامین شامل ہیں ۔جن ادبا وشعرا کے تعلق سے یہ مضامین لکھے گئے ہیں ان کے نام کچھ یوں ہیں، سہیل واسطی ،عابد ضمیر ،رونق نعیم ،انیس رفیع ،شمس ندیم ،اظہارالاسلام ،محمود یٰسین ،اشہر ہاشمی ،منور رانا، اردو شاعرات اور آسنسول کا عصری ادب۔سبھی مضامین لائق مطالعہ،معلوماتی اور قابل ستائش ہیں۔زبان وبیان میں ندرت ہے اور اسلوب بھی دلکش ہے۔کوئی بھی مضمون دلچسپی سے خالی نہیں۔سہیل واسطی کے تعلق سے وہ لکھتے ہیں:

’’سہیل واسطی نے ہندوستان کی تاریخ کا وہ دور بھی دیکھا ہے جب سیاست نے مذہب کو اپنے گندے مقاصد کے لئے استعمال کیا اور خون کی ندیاں بہادیں۔انسانیت لہولہان ہوگئی اور معصوموں کے قتل وخوں نے ہر شاعر و ادیب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔سہیل واسطی نے بھی اس المیے کو اپنے اشعار میں پیش کیا ہے۔وہ زندگی میں در آنے والی بے حسی، بے ضمیری اور بدعنوانی سے حد درجہ نالاں تھے اور انسان کے ضمیر کو جگانے کی سعی کرتے رہے۔‘‘(ص۔۱۳)

اس اختصاص و اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف نے ان کی نظموں کا کافی گہرائی سے مطالعہ کیا اور بڑی ہنرمندی سے گتھی نکال لیا ہے۔قلم کار پختہ ذہن کا مالک ہے ۔ نیز شاعری کی نفسیات کو سمجھتا ہے ۔ بیشک سہیل واسطی اشتراکیت اور ترقی پسندیت سے متاثر تھے۔ ہندوستان کے غریب،مزدور پیشہ اور دبے کچلے طبقے اور عوام پر ان کی گہری نظر تھی۔ وہ ان کے درد وکرب سے واقف تھے۔تبھی ان کی شاعری میں یہ انداز اور لہجہ در آیا تھا۔ وہ جابرانہ اور ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف تھے۔حلیم صاحب کی نظر سہیل صاحب کی طرز نگارش کی طرف بھی گئی ہے اور انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ ان کی شاعری کا رنگ وآہنگ منفرد اور شعور ووجدان کا خوبصورت امتزاج تھا۔

عابد ضمیر کے تعلق سے دو مضامین شامل مجموعہ ہیں۔اس مضمون میں نہ صرف عابد صاحب کی افسانہ نگاری پر بحث موجود ہے بلکہ افسانہ نگاری کے خاص نکتے کی طرف بھی اشارہ موجود ہے جو ان کی ادب فہمی اور افسانہ نگاری کے فن سے واقفیت کا اعتراف ہے۔وہ لکھتے ہیں:

’’صنعتی ترقی اور جمہوری قدروں کے فروغ نے فکروفن میں بھی ایک طرح کی آزادی کو راہ دی تھی جس کے نتیجے میں جملہ شعبہ ہائے حیات میں نئے نظریات و مکاتبِ فکر کی اثر پذیری بڑھنے لگی اس صورت حال نے اردو

افسانے پر بھی اثر ڈالا۔ ترقی پسندی کے بیس پچیس سالہ دور میں لوگ نعرے بازی، پروپگنڈے اور یک رخے فکری وفنی رویئے سے اکتانے لگے تھے اور ادب میں کسی نئے اسلوب اور پیرایۂ اظہار کے متمنی تھے ایسے میں مغرب سے جدیدیت کا ایک تیز اور خوشگوار ہوا کا جھونکا اردو ادب میں آیا اور اردو افسانے کی فضا کو اپنے رنگ میں رنگنے لگا۔ جدیدیت چونکہ اردو ادب میں ترقی پسندی کے ردعمل میں داخل ہوئی تھی اس لئے اس میں سماج کے بجائے فرد، اجتماعیت کی جگہ فردیت اور کائنات کی جگہ ذات کو ترجیحی مقام ملا۔'' (ص۔۲۰)

یہ ایک چھوٹا سا اقتباس افسانہ کے بدلتے ہوئے مزاج اور رنگ ڈھنگ کا خوبصورت اظہار یہ ہے۔ ایک تاریخ ہے۔ ایک سچائی ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ یہ حلیم انصاری کی پختہ ذہنی کی وکالت کے لئے کافی ہے۔ یہ کسوٹی بھی ہے جس پر عابد ضمیر اور دوسرے افسانہ نگاروں کو انہوں نے کسا ہے اور ان کے کھرے کھوٹے کو پیش کر دیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ انہوں نے کسی کا تنقیدی جائزہ نہیں لیا ہے مگر تاثراتی جائزہ ضرور پیش کیا ہے۔ اس کی روشنی میں وہ رقم طراز ہیں:

''پہلے دور کے افسانوں میں عابد ضمیر کے فکر وفن پر رومان ایک غالب نفسیاتی عنصر کی حیثیت سے غالب ہے۔ حسن وعشق کے معاملات، جواں دلوں کا ملنا اور بچھڑنا، ظاہری شخصیت کا فریب، اور حسن وجوانی کی موقع پرستی اور مصلحت کوشی جیسے موضوعات ان کے افسانوں میں اکثر بیان ہوئے ہیں۔ ہاں انہوں نے جدیدیت کے زیر اثر تجربے کے طور پر کچھ علامتی افسانے بھی لکھے۔'' (ص۲۲)

موصوف کا یہ محاکمہ عابد ضمیر کی افسانہ نگاری کا عکس ریزہ ہے جو قاری کے فہم وفراست کے لئے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ رونق نعیم کی شاعری کا محاسبہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ بھی جدیدیت کے پروردہ ہیں ان کی نظموں اور غزلوں میں فطرت کے تمام رنگوں اور کیفیات کی جلوہ گری موجود ہے۔ رونق نعیم نے جدید غزلوں میں انسانی جذبات واحساسات کے حقیقت پسندانہ مگر رمزیہ وایمائی اظہار کو ترجیح دی ہے۔ علامتی واستعاراتی زبان بھی استعمال کی ہے۔ ان کے لاشعور میں اجزائے فطرت اور مظاہر قدرت اس طرح رچے بسے ہیں کہ وہ بار بار ان کی شاعری میں دخیل ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنی انفرادیت قائم رکھی ہے۔

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حلیم انصاری کو رموز شاعری سے واقفیت ہے یا پھر اس کا وہ گہرا اور بسیط مطالعہ رکھتے ہیں۔ ان کا شعری شعور قابلِ احترام ہے۔ انہوں نے رونق نعیم کی شعری فنکاریوں کا منفرد انداز میں انکشاف کیا ہے۔ ان کے اشعار میں شامل کلیدی الفاظ کو منتخب کیا ہے اور ایسے اشعار کی طرف قاری کی توجہ مبذول کرنے کی اچھی کوشش کی ہے۔ جن میں سمندر، سانپ، خواب، خوف وڈر، موسم، جنگل ہوا، پانی، آسمان، گھر، زمین، دنیا، وغیرہ الفاظ شامل ہیں۔ ان کا موازنہ رنگ میرؔ، غالبؔ، محمد علویؔ، اور مجازؔ سے بھی کیا ہے جو سعی حاصل اور لا حاصل دونوں صورتوں کا اظہار یہ ہیں۔

بنگال کے معروف افسانہ نگار کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''انیس رفیع کے فن کا ایک اختصاص یہ بھی ہے کہ وہ اپنے افسانوں میں خود کو ایک افسانہ نگار کی طرح نہیں ایک قصہ گو کی طرح پیش کرتے ہیں۔ ان کے بیشتر افسانوں میں ان کے کہانی کہنے کا انداز ایک قصہ گو کا ہوتا ہے جو کبھی کبھی زبان کے تقاضوں اور جمالیات سے بے نیاز ہو کر قصہ بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ ان کے یہاں وہی کھردرا پن ہے جو عصمت اور منٹو کے یہاں ہے بلکہ کبھی ان دونوں سے زیادہ۔'' (ص۔۴۷)

کتنی سچی اور حقیقت آشنا بات کہی ہے۔ یہ جسارت قابل تحسین ہے اور اس نکتے کی بازیافت بھی خوب ہے۔ بیشک انیس رفیع جو زبان استعمال کرتے ہیں وہ دوسرے افسانہ نگاروں سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ جس علاقائی پس منظر میں وہ افسانے لکھتے ہیں وہاں کی خالص بولی کو وہ خوب استعمال کرتے ہیں۔ کبھی کبھی قاری کو وہ بھلے بھی لگتے ہیں اور کبھی گراں بھی گزرتے ہیں مگر افسانوی جمالیات اثر انداز نہیں ہوتی۔ یہ معاملہ تو انیس رفیع کا ہے لیکن یہاں بحث صاحب کتاب کے فہم وفراست کے تعلق سے ہے کہ انہوں نے کس دوربین نگاہی سے اس نکتے کو منظر عام پر لایا ہے اور سچائی کے لعل کو اگل دیا ہے۔ اس کے لئے وہ بیشک مبارکباد کے مستحق ہیں۔

مضامین نگاری کا یہی مقصد ہے کہ مضمون نگار قاری کو لفظوں کی بازی گری میں الجھائے نہیں، ہوائی قلعہ تعمیر نہ کرے۔ لچھے دار گفتگو نہ کرے بلکہ صاف صاف جو اسے تخلیق میں نظر آئے اسے بیان کرے۔ انصاری صاحب نے ایسا ہی کیا ہے۔ بلکہ ان کی عینک کا نمبر بالکل درست ہے کہ ان کی نظر وہاں تک پہنچ گئی ہے جہاں عام ادیبوں کی پہنچنی مشکل ہے۔ اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اس کتاب کے مطالعے کے بعد کیا نتیجہ اخذ کیا جائے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ محرر نے جو اس راہ میں قدم اٹھایا ہے وہ حوصلہ مند ہے۔ وہ ایک سنجیدہ مقالہ نگار ہے۔ اسے مضامین لکھنے کا شعور ہے۔ مشق ومزاولت اسے دور تک لے جا سکتی ہے۔ مزید مطالعے اسے قوت تحریر عطا کر سکتے ہیں۔ اپنی خامیوں پر خود نگاہ رکھنے سے انسان بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ بغیر خامی کا کوئی انسان نہیں۔ اس کے باوجود زبان اچھی ہے، بیان اچھا ہے، اسلوب بھی قابلِ تحسین ہے۔ سوچ اچھی ہے۔ فکر بلند ہے۔ سب سے بڑی بات سنجیدگی اور سلاست ہے۔ اللہ اور عزت بخشے۔ آمین۔

☆☆☆

محبوب خاں اصغر
H.No. 10-2-302, Shah Apartment
4th Floor, Flat No 404,
Bazarghat,Vijaynagar Colony,
Hyderabad - 500057(T.S)
Mobile No. 9246272721

قطب سرشار کی غزل کا تجزیاتی مطالعہ

ادب کی معنویت، مقصدیت اور افادیت تینوں کی تعبیرات، کیا محل نظر ہیں؟ اگر ہیں تو کیوں ہیں؟ جبکہ ممتاز مشاہیر ادب نے اس موضوع پر طویل مباحث پر مبنی مثبت نظریات کا اظہار کردیا ہے۔ ادب عالیہ کے حوالے سے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جتنا کچھ اور جو کچھ لکھا گیا ہے وہ لسانی تربیت، تہذیب وثقافت کا تعارف نامہ ضرور ہے۔ آگے کی بات یہ ہے کہ مصرف ادب کیا ہونا چاہیے؟ کیا ادب کو بقائے انسانیت اور بیداریٔ ضمیر کو یقینی بنانے والا وسیلہ اظہار بنایا جاسکتا ہے۔ اس طرح مصرف ادب کی صحت مند معنویت کا شعور بیدار ہوسکتا ہے۔ اصناف ادب میں سرفہرست شاعری اور فکشن ہے، جو سب سے زیادہ موثر اور وسیع تر وسیلہ اظہار ہیں۔ جس میں براہ راست انسان کے دل و دماغ تک رسائی دینے کی توانائی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ میری دانست میں شاعری کو اظہار حکمت اور ذہنی تربیت اور فکشن کو معاشرتی زندگی کی ایسی تمثیلات کا وسیلہ بنایا جاسکتا ہے جس سے حس انسانیت کو تقویت حاصل ہوجائے، دنیا کے سرفہرست تذکرہ نگاروں نے جب کبھی دنیا کی عبقری ہستیوں کے تذکروں کا احاطہ کیا ہے تو ان میں پیغمبر اسلامؐ کا نام نمایاں رہا ہے۔ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں سب سے بڑے دانشور، حکیم اور شفاف ترین عملی زندگی کا نمونہ صرف پیغمبر اسلامؐ ہی ہوئے ہیں اور اس کی وجہ ایک ہی ہے کہ انہوں نے حیات انسانی کو ایک صحت مند سمت اور منزل سے متعارف کروایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غم حیات و کائنات کا مرثیہ نہیں پڑھا بلکہ مسائل حیات کا حل اور انسانی فکر و عمل کی صحت مند تنظیم کرکے امن وسلامتی کی ایسی فضاء تشکیل دی ہے کہ زندگی میں حزن وملال، خوف وکشمکش کے امکانات کا خاتمہ ہوگیا۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقائے انسانیت کے استحکام کے لئے کوئی کسر نہیں رکھ چھوڑی۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ لیکن ملت آدم کو یقین دلایا کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں درحقیقت وہ نہیں کہتے بلکہ خالق کائنات آپ سے کہلواتا ہے۔

اگر ہم ادبِ عالیہ کے اور عصر جدید کے ادب پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ کسی نے بھی (بجز اقبال اور ابن صفی) حکمتوں کا نور پیغمبر اسلامؐ سے کشید کرکے اسے اپنے تخلیقی اظہار کا وسیلہ بنایا ہو۔ معاشرتی زندگی میں افکار ونظریات کے نقائص اور محض اس کے مضر اثرات کی ترجمانی سے صحت مند ادب کا تصور نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ایسی حکمتوں کی تعبیرات جو مافوق الفطرت وسیلے (وحی) سے حاصل ہوئی ہیں ان ہی سے استفادہ مقصد اور مصرفِ ادب ہونا چاہیے۔ اس حوالے سے علامہ اقبال کی تمام تر شاعری پر ایک امعانی نظر ڈالیں تو ہماری گفتگو کی روح واضح ہوجائے گی۔ اس طویل تمہیدی کلمات کے تناظر میں ہم اردو کے نامور شاعر ونقاد ڈاکٹر قطب سرشار کی غزل کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں۔ آغاز گفتگو سے قبل ان کی غزل کے چند شعر جو موضوع گفتگو ہیں ملاحظہ کریں۔

کہیں منزل نہ راستوں کا پتہ ہے۔ تدبر چلتے چلتے تھک گیا ہے
کئی برسوں کا اگرچہ تجربہ ہے۔ شعورِ حق میں پھر بھی ایک خلا ہے
پڑی ہے روح قعرِ تیرگی میں۔ سڑک پر آدمی بکھرا پڑا ہے
ہر اک سو ہیں سبھی دیواریں بے در۔ چلے آؤ حجازی در کھلا ہے
بدن سارا کھلا رکھا ہے لیکن۔ رُخِ دانش پہ ہی پردہ پڑا ہے
سدا نرغے میں طوفانوں کے رہ کر۔ توکل کشتیوں کا بڑھ گیا ہے
تمیزِ خیر وشر ہی آگہی ہے۔ مجرد عقل شر ہے، واہمہ ہے
اندھیرے سے ذرا سے فاصلے پر۔ صحیفہ روشنی پھیلا رہا ہے
سماعت کو اگر بیدار کرلیں۔ اذانوں کا مسلسل داعیہ ہے
قلم نا آشنا ہے حکمتوں سے۔ ادب بس حظِ جاں میں کھو گیا ہے

اب آیئے منتخب اشعار کے معنوی تناظر کی کھوج کرتے ہیں:۔

کہیں منزل نہ راستوں کا پتہ ہے۔ تدبر چلتے چلتے تھک گیا ہے

دنیا کے سارے مدبرین کا فکری سفر طویل ترین ہونے کے باوجود انہیں بقائے انسانیت کی سمتوں اور منزل کا سراغ نہ مل سکا۔ یہاں تک کہ لاکھوں کتابوں میں فکر وتدبر کی مسافت بے فیض ثابت ہوتی ہے۔ یعنی بہت کچھ لکھا گیا لیکن ہاتھ کچھ نہیں لگا۔ اسی معنویت کا تسلسل دوسرا شعر بھی ہے۔

کئی برسوں کا اگرچہ تجربہ ہے۔ شعور حق میں پھر بھی ایک خلا ہے

یعنی برسوں کے تدبر اور تجربوں کے باوجود آگہی میں ایک وسیع تر خلا دکھائی دیتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ محدود فکر انسانی ایک ادھوری فکری مشقت ہے۔

پڑی ہے روح قعر تیرگی میں۔ سڑک پر آدمی بکھرا پڑا ہے

روح کا قعر تیرگی میں پڑے رہنے کا یہ مفہوم نکالا جاسکتا ہے کہ ضمیر انسانی کی تربیت کے لئے کوئی مستحکم علم، عقیدہ اور طرز عمل دستیاب نہیں ہے، چنانچہ آدمی مختلف مسائل میں اس قدر منقسم ہوگیا ہے کہ وہ رسوائی کی سڑک پر ایک پراگندہ وجود کی طرح نظر آتا ہے۔ تیرگی سے

روح کا ایسا موقف مراد ہے جو صراط مستقیم سے نابلد ہے۔ اس طرح یہ ممکن ہے کہ حیات انسانی شکست وریخت کا شکار ہو جائے۔

ہر اک سو ہیں سبھی دیواریں بے در۔ چلے آؤ حجازی در کھلا ہے

شاعر ایک ایسی جہت کی نشاندہی کر رہا ہے جو ضمیر انسانی کو ایک کھلی فضا میں سانس لینے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ یہاں "بے در دیواریں" بے سمت زندگی کے استعارے ہیں۔ ایک ایسی فضاء جس میں چاروں طرف ایک قفس اور ایک حبس جیسا ماحول نظر آتا ہے اور ضمیر انسانی جس کی فطرت میں حریت ہے۔ قفس سے اور حبس سے باہر نکلنے کے لئے اسے ایک ایسے دروازے کی تلاش ہے جس سے نکل کر وہ سکون اور راحت محسوس کر سکے۔ شفاف اور کھلی فضا اس کا نصیب بن جائے۔ "چلے آؤ حجازی در کھلا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ صراط مستقیم ہی ایک ایسا کھلا دروازہ ہے۔ جس میں انسانیت آزادانہ سانس لیتی ہے۔

بدن سارا کھلا رکھا ہے لیکن۔ رخ دانش پہ ہی پردہ پڑا ہے

بے راہ روی ایک عریاں طرز زندگی کے ساتھ ایک غیر دانشمندانہ روش بھی ہے۔ بے راہ روی کے عالم میں انسانی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے تو بالواسطہ شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ صراط مستقیم اسے آواز دے رہا ہے۔

سدا نرغے میں طوفانوں کے رہ کر۔ توکل کشتیوں کا بڑھ گیا ہے

اقبال نے کہا تھا کہ

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے۔ کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

اقبال کے اس شعر کا معنوی تناظر یہ ہے کہ جب تک انسان حیات کی تلخیوں کا سامنا نہیں کرتا وہ کسی انقلاب سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ یہاں قطب سرشار یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو صراط مستقیم سے آشنا ہیں زندگی کے طوفانوں کا سامنا کرنے کے باوجود اپنے رب پر توکل ان کے اندر رجائیت کی توانائی پیدا کرتا ہے۔

تمیز خیر و شر ہی آگہی ہے۔ مجرد عقل شر ہے، واہمہ ہے

اس شعر کا موضوع بہت ہی اہم اور عہد عتیق کے پس منظر کی طرف ذہن کو لے جاتا ہے۔ جب صراط مستقیم کا تعارف نامہ (قرآن) پیش کیا گیا تو ان ہی لوگوں نے اسے قبول کیا جن کے اندر فطرتاً خیر و شر کی تمیز موجود تھی اور وہ لوگ جو مجرد عقل کی رہبری میں جی رہے تھے صراط مستقیم سے انحراف کر گئے اور شر و رفتن کے شکار ہو گئے۔

اندھیرے سے ذرا سے فاصلے پر۔ صحیفہ روشنی پھیلا رہا ہے

اس شعر میں بالواسطہ شاعر نہایت شائستہ لہجے میں اہل دانش اور صاحب نظر افراد جو غیر صحت مند آگہی کے اندھیرے میں الجھے ہوئے ہیں نشاندہی کرتا ہے کہ آفاق میں صحیفہ کی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔

سماعت کو اگر بیدار کر لیں۔ اذانوں کا مسلسل داعیہ ہے

یہ شعر بھی اگلے شعر سے معنوی رشتہ رکھتا ہے۔ اذان کے جو الفاظ ہیں وہ صاحب فکر افراد کو دعوت دے رہے ہیں کہ خالق کائنات اور پیغمبر اسلامؐ دونوں برحق اور اطاعت کے لائق ہیں۔ اسی میں فلاح ہے۔ اسی میں منظّم زندگی کی آگہی ہے۔ کیونکہ منظّم زندگی کی آگہی اس ہستی کی ہے جو کائنات کا خالق ہے اور جس کی عظمت اور کبریائی بے مثل ہے۔ یعنی کہ اذان ایک صحت مند عقیدے کا تعارف نامہ اور امن و سلامتی کی ضامن ہے۔

قلم نا آشنا ہے حکمتوں سے۔ ادب بس حظ جاں میں کھو گیا ہے

اس شعر میں شاعر ایسے ادب کی نفی کرتا ہے جو محض حظ جاں یا ذہنی تفریح کی فضاؤں میں مقید ہے، جبکہ پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے کہ شعر حکمتوں سے ماخوذ ہوتا ہے اور تقریر و تحریر جادوئی اثر رکھتے ہیں جس سے نہ صرف انسانی ذہن کی تربیت ہوتی ہے بلکہ اثر پذیری کے امکانات بھی یقینی ہو جاتے ہیں۔ میں نے جن اشعار کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ قطب سرشار کے اس نظریے کے حوالے سے گفتگو کی جائے جو پیغام سروش کی معنویت سے متعلق ہے۔ قطب سرشار اپنے اشعار میں کہیں نہ کہیں بلکہ عموماً رد و قبول کے مرحلے میں صراط مستقیم کو اپنی ترجیحات میں شامل رکھتے ہیں۔ انہوں نے اکثر اپنی تحریروں میں اسلام کے حوالے سے جو تعبیرات دی ہیں وہ یہ ہیں کہ اسلام ساری انسانیت کے لئے ایسا لازم ہے جو حیات کو امن و سلامتی اور توازن سے ہمکنار کرتا ہے۔ دنیا کی مختلف روایات، طرز حیات، حقائق اور نظریات کا اسلام دفع کرتا ہے اور انسانیت کی بقاء کی ضمانت دیتا ہے۔ مذہب ایک ایسی اصطلاح ہے جو انسان سے منسوب کر دی جاتی ہے تو اس سے اسلام کی آفاقیت کھل نہیں پاتی۔

الغرض قطب سرشار کی جس غزل کے منتخب اشعار کو میں نے اپنی گفتگو کا محور بنایا ہے وہ بظاہر سہل ممتنع لگتے ہیں مگر یہ تمام ہی اشعار پرت در پرت ہیں اور فہمید گاہی کے اذہان پر دستک دیتے ہیں۔ کھلا کہ جس طرح مشتاق احمد یوسفی کی تمام تر تحریریں خواص کے لئے ہیں اسی طرح قطب سرشار کی شاعری بھی عوام الناس کے لئے نہیں ہے۔ فہم و ذکا کے حامل اصحاب پر ان کے کلام کے اسرار و رموز کھلتے ہیں۔ شعر کی تخلیق میں جو ذکاوت کارفرما ہوتی ہے وہ وہبی ہے کسبی نہیں۔ سیاسی کشمکش ہو کہ انسانی زندگی کے نظام اقدار کا گرتا ہوا معیار، بے راہ روی ہو کہ قدروں کی زوال پذیری، رشتوں کی بے حرمتی ہو کہ ابتر تدریسی نظام، ان کے اظہار کے لئے جس شائستہ لہجے کو وہ اختیار کرتے ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں لسانی آگہی اور بصیرت حاصل ہے۔

پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی کے مصداق قطب سرشار نے ایک درد مند دل، روشن دماغ اور حساس طبیعت پائی ہے اور اس کا انکشاف ان کے تخلیقی سرمائے کے ہر لفظ سے عیاں ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری لگتا ہے کہ ان کی انتقادی قوت اور تجزیاتی صلاحیت جہاں ان کی شخصیت کی ہمہ گیری کو ظاہر کرتی ہے وہیں یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ وہ مذہبی حیثیت کے انسان ہیں۔ ان کی تحریروں کا آہنگ ان کے تخلیقی مزاج سے ہم آہنگ ہے۔

سرشار... غالب اور اقبال کی شاعری کے رنگ و آہنگ سے متاثر بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اردو شعر و ادب کی تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہوگا جو ان دو عظیم شعرا سے متاثر نہیں ہوا ہے، لیکن یہاں بھی فرق ہے۔ اکثر شعرا ان دو بڑے شعرا کے فکری ماخذ یا ان کے شعور کو پہنچے بغیر ہی واہ واہ کرتے ہیں لیکن سرشار صاحب نے اپنی تنقیدی بصیرت کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی کتاب "امعان" میں ایسے مضامین شامل کر دیئے ہیں جن میں انہوں نے غالب اور اقبال کے بعض اہم اشعار کا خوبصورت تجزیہ کر دیا ہے، جو غالب و اقبال فہمی میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

الغرض ان کی نثری اور شعری تحریروں میں ان کے تجربے سانس لیتے ہیں۔ گہری

(بقیہ ۳۵ صفحہ پر)

ذاتی تجربہ

صادق علی انصاری
Nasheman
A-198,Shaikh Sarai
Dist:Sitapur-261001(U.P)

ہمارے مولوی صاحب

ہم نے چھٹے درجہ سے بارہویں تک جس اسکول میں تعلیم حاصل کی اسے شہر کے تمام اسکولوں میں کم تر سمجھا جاتا تھا۔ اکثر طلبہ دوسرے اسکولوں میں داخلہ لیتے اور کہیں سیٹ نہ ملتی تو میونسپل اسکول' سیتاپور میں داخل ہو جاتے تھے۔ اس وقت یہ اسکول ہزارہ اسکول کہلاتا تھا۔ کچھ لوگ طنز کے بطور اسے ہزارہ یونیورسٹی بھی کہتے تھے۔ آگے چل کر ۱۹۶۶ء میں یہ اسکول انٹر کالج بن گی تھا۔

اس کے اسٹاف میں پرنسپل شری اے پی پانڈیا اور وائس پرنسپل ظہیر صاحب ہوا کرتے تھے۔ ظہیر صاحب کے ذمہ انگریزی اور اکانومکس کے مضاین تھے۔ مقصود الحسن' صدیق احمد خاں' ستگر پرساد باجپئی' پنڈت بابو رام ترپاٹھی' احتشام علی صدیقی' ہری سروپ چودھری' تاریخ کے پروفیسر شیو دیال شرما' کے کے تیواری' باجپئی اور اردو کے لیکچرار مولوی شفیق احمد صاحب کے اسمائے گرامی ذہن میں محفوظ ہیں۔ ان تمام اساتذہ کی کچھ الگ الگ خصوصیات بھی ذہن کے کینوس پر محفوظ ہیں۔ ان میں جناب صدیق احمد خاں بڑے سنجیدہ مزاج کے تھے۔ اسٹاف روم ہو یا کلاس روم انھیں کبھی کسی نے بھی مسکراتے نہیں دیکھا تھا جبکہ اردو کے لکچرار مولوی شفیق احمد ہمیشہ مسکراتے نظر آیے۔ آج بھی جب ان کی یاد آتی ہے تو ان کا مسکراتا ہوا چہرہ نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔

کالج کے اساتذہ میں سے میں مولوی صاحب کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ ایمان داری سے اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے۔ فیس جمع کرتے وقت حساب میں اگر اٹھنی یا کچھ پیسے زیاہ ہونے پر وہ مطلوبہ طالب علم کو یہ کہہ کر لوٹا دیتے کہ لو میاں یہ پیسے ٹافی خرید کر کھا لینا۔ ایمان داری ان کا شیوہ رہی۔

موصوف کی ایک بات مجھے زیادہ عجیب لگی۔ وہ یہ تھی کہ اگر اگلا دن اتوار کا ہوتا تو نوکر سے اسکول کی چابی لے لیتے اور دفتر کھول کر ہم چار پانچ طلبہ کو بلا لیتے۔ تعلیم دینے کی غرض سے نہیں بلکہ ہم کو ایسے اشعار لکھواتے جو الف ب ج دش سے شروع ہوتے ہیں۔ ان اشعار کو اگلے دن وہ ہم سے سنا کرتے۔ چھٹی کے دن اس کام میں ان کے دو ڈھائی گھنٹے صرف ہو جاتے تھے۔ ان کا مقصد تھا کہ ہم طلبہ کو بیت بازی کے لئے تیار کرنا تا کہ جب بھی کہیں بیت بازی کا مقابلہ ہو اس میں جیت کر ہم اپنے اسکول کا نام روشن کر سکیں۔ مولوی صاحب کی صحت اچھی تھی اور لباس میں سفید کرتا پائجامہ اور کالی شیروانی زیب تن فرماتے۔ نحیم شحیم تھے۔ اس لیے کچھ شریر طالب علم انہیں موٹا دیو کہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب مولوی صاحب پکے پل پر سے گزرتے تو ان کے وزن سے پل ہلنے لگتا ہے۔

ایک روز موڈ میں تھے۔ کئی بچوں سے کلاس میں پوچھا تم لوگ صبح کی چائے پیتے ہو؟ جب کوئی نہیں بولا تو کہا کہ یوسف علی تم ہی بتاؤ کہ کتنے کپ چائے پیتے ہو؟ یوسف علی نے کہا کہ صرف ایک کپ۔ مولوی صاحب نے کہا تم بے وقوف ہو۔ اچھا تم سب مجھ سے پوچھو میں کتنی چائے پیتا ہوں۔ سب بچے ہنس دیے۔ بولے میں رات کی بچی ہوئی بیسن کی آدھی روٹی کو توڑتا ہوں اور بڑے سے پیالے میں کئی کپ چائے اس توڑی ہوئی روٹی میں ڈالتا ہوں۔ روٹی بھیگ جاتی ہے تب میں روٹی کے ساتھ چائے پیتا ہوں۔

مولوی صاحب کی خوراک بہت اچھی تھی۔ ایک صاحب نے بتلایا کہ تمہارے مولوی صاحب کی میں نے دعوت کی۔ وہ دیہات کی پکی بیسنی ڈیڑھ روٹی جب کھا چکے تو پانی مانگا۔ کہنے لگے بھائی صاحب میں نے پانی پینے کے لئے مانگا ہے' ہاتھ دھونے کے لئے نہیں۔ آپ یہ سمجھ لیں کہ یہ انٹرول ہوا ہے۔ ہمارے مولوی صاحب بڑے ہی سیدھے سادے انداز میں باتیں کرتے تھے۔ بات چیت میں کہیں بھی بناوٹ کو قطعی دخل نہیں تھا۔

دوسروں کے کام آنے کا جذبہ مولوی صاحب میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ ان کے ایک ساتھی رام سروپ جو اسکول کے دفتر میں کلرک ہوا کرتے تھے' ایک روز بتایا کہ مجھے کچھ روپوں کی اشد ضرورت تھی تو چپکے سے شفیق مولوی صاحب سے ہمت کر کے پہلی مرتبہ مانگا تو کہنے لگے کہ یار رام سروپ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں صرف تنخواہ کے سہارے رہتا ہوں۔ ٹیوشن بھی نہیں کرتا، میرے پاس اتنا روپیہ پیسا کہاں کہ کسی کے کام آسکوں۔ خیر پہلی بار کہا ہے تو اگر اللہ پاک نے چاہا تو کل تک کا موقع دے دو، دیکھوں گا۔

اگلے روز اکیلے میں مولوی صاحب نے چار سو روپے ہاتھ میں رکھتے ہوئے کہا کہ تمہاری بات رہ گئی لیکن صرف تم جانو اور ہمارا اللہ پاک جانے۔ بیچارے بڑے ہی نیک تھے ہمارے ساتھی مولوی صاحب۔

میں اسے بدقسمتی سمجھتا ہوں کہ کالج چھوڑنے کے بعد مولوی صاحب سے ملاقات کرنے ان کے گھر نہ جا سکا۔ جہاں تک یاد ہے ۱۹۹۸ء میں جون کی

چھٹیاں چل رہی تھیں۔ایک دم ملاقات کا ارادہ بن گیا۔میں مولوی صاحب کے دولت کدے میں حاضری دینے پہنچ گیا۔یہ اتفاق تھا کہ اس وقت مولوی صاحب گھر پر نہیں تھے وہ پینشن لینے گئے ہوئے تھے،واپس ہوا تو راستے میں ملاقات ہوگئی۔میں نے مٹھائی کا ڈبہ پیش کیا تو کہنے لگے یہ کیوں لائے ہو؟میں نے کہا کہ آپ کی خدمت میں خالی ہاتھ آنا مناسب نہیں سمجھا۔ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ان کے مسکرانے پر مجھے دلی سکون ملا۔

دورانِ ملاقات وہ بولے کہ پڑوس کی دکان سے بیڑی لے لو۔میں نے پرچون دکاندر سے بیڑی کا ایک بنڈل اور ماچس لے کر مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔کہنے لگے بیڑی جلاؤ۔بنڈل سے بیڑی نکالی اور سلگا کر دیا تو کہنے لگے یہ تو ایک ہے کیا تم نہیں پیو گے؟

اس پر میں سکتہ میں پڑ گیا۔کچھ جھینپتے ہوئے ادب سے بولا ،مولوی صاحب میں بیڑی سگریٹ تمباکو اور پان وغیرہ کچھ بھی استعمال نہیں کرتا۔اگر ایسا شوق ہوتا تب بھی ادب میں آپ کے سامنے ایسی جرأت کبھی نہیں کرتا۔مولوی صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور دعائیں دینے لگے۔ان سے اجازت لیتے وقت گویا ہوئے کہ جب اگلی بار آنا ہوا تو ساتھ میں دسہری آم ضرور لانا۔مجھے دسہری آم بہت پسند ہیں۔

گھر آکر میں نے بیوی کو بتایا تو وہ کہنے لگی ،میری رائے میں ایک اچھا ساتہمد اور انگوچھا بھی لیتے جائیے گا۔پرہیز گار اور نیک آدی ہیں۔

بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوسکا۔ملاقات کے پندرہ یا بیس روز گزرے ہوں گے کہ مولوی صاحب اس سرائے فانی سے کوچ کر گئے اور اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔خدائے پاک اپنے رحم کرم سے انہیں نوازے اور جنّت الفردوس جگہ عطا فرمائے !آمین۔اب جب بھی مولوی صاحب یاد آتے ہیں تو ان کا مسکراتا چہرا نظروں میں گھوم جاتا ہے۔☆☆☆

(بہار میں بچوں کا ادب...کا بقیہ)

ڈاکٹر عارف حسن وسطوی ''بہار میں بچوں کے ادب'' پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بچوں کا ادب لکھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔اس میدان میں وہی ادیب کامیاب ہوسکتا ہے جس نے فکری،فنی،ذہنی اور عملی سطح پر بچوں کا قریب سے مطالعہ کیا ہو اور انہیں سمجھنے کی کامیاب کوشش کی ہو۔

ابرار احمد اجراوی نے ''اکیسویں صدی میں بچوں کا ادب:سمت ورفتار'' کے عنوان سے اپنا مضمون لکھا ہے۔

فرزانہ فرحت نے ''نسل نو کا معمار امان ذخیروی'' کے عنوان سے اپنا مضمون تحریر کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے:''امان ذخیروی ایک قابل قدر استاد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پختہ لب ولہجہ کے شاعر بھی ہیں،جنہوں نے شاعری کو نئے مضامین عطا کئے۔وہ اردو اور ہندی شاعری میں ایک فکر کے معمار اور ایک عہد کی شناخت ہیں۔امان ذخیروی کی کتاب ''آغوش میں چاند'' خدا کے پاک نام سے شروع ہوتی ہے۔یعنی پہلی نظم میں بچہ خدا سے دعا مانگتے ہوئے کہہ رہا ہے:

خدایا مجھ کو ایسی زندگی دے۔جو میرے نام کو پائندگی دے
زباں تو نے اگر بخشی ہے ہم کو۔تو پھر تاثیر دے اور دلکشی دے
تکبر ایک شیطانی عمل ہے۔ہمیں بس انکساری عاجزی دے

ڈاکٹر مستفیض احد عارفی نے ڈاکٹر احسان عالم کی کتاب ''بچوں کے سنگ'' پر ایک جامع جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر احسان عالم تواتر کے ساتھ لکھتے ہیں۔ان کے مضامین ملک اور بیرون ملک کے ادبی رسالے میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ان کی کل سولہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔درس و تدریس سے جڑے ہونے کے باعث بچوں کے درمیان رہنے کا طویل موقع ملا ہے۔پیش نظر کتاب ''بچوں کے سنگ'' کا جواز بھی یہی ہے۔

ڈاکٹر صالحہ صدیقی نے ''منصور خوشتر کا ادب اطفال:تفہیم اور فکر وفن کے آئینے میں مطالعہ'' کے عنوان سے ایک طویل مضمون تحریر کیا ہے۔ان کی شاعری کے حوالے سے وہ لکھتی ہیں کہ منصور خوشتر کی شاعری میں ان کا انداز عموماً قدر انفرادی ہوتا ہے اور ان کے تخلیقی وجدان میں جمالیات اور حقیقت پسندی کی جو فکری سرشاری ہوتی ہے وہ ان کی شاعری میں بالکل نئی اور عجیب وغریب اہمیت کی حامل بنتی محسوس ہوتی ہے۔''ہمارا اسکول'' کے عنوان سے بچوں کے لئے منصور خوشتر کی ایک پیاری نظم ہے۔اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ کریں:

اسکول میں ہمارا
دل خوب ہے بھی لگتا۔ساتھی ہیں کیسے کیسے
گلشن کے پھول جیسے۔جو وقت ہے گزرتا
خوشیوں کی ہے وہ دولت۔رنگین ہے وہ ساعت
حاصل بھی علم کرتے۔دامن کو اپنے بھرتے

غلام نبی کمار نے بہار میں ادب اطفال کے نمائندہ قلم کار پر مفصل انداز میں روشنی ڈالی ہے۔بہار میں بچوں کے ادب لکھنے والوں میں نمایاں نام پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا ہے۔ان کے علاوہ پروفیسر عبدالمنان طرزی،ڈاکٹر عطا عابدی،ڈاکٹر احسان عالم،ڈاکٹر منصور خوشتر،شاہد جمیل،شمیم قاسمی،مجیر احمد آزاد،ذکی احمد،چندن پٹوی وغیرہ بچوں کے ادب میں جان وتن سے خدمت کر رہے ہیں۔

اس طرح ڈاکٹر منصور خوشتر کی ترتیب کردہ کتاب ''بہار میں بچوں کا ادب:آج اور کل'' بچوں کے ادب سے متعلق ایک گراں قدر اضافہ ہے۔اس کتاب کی پذیرائی ضرور ہونی چاہئے۔

☆☆☆

طنز و مزاح

منظور وقار
Yadullah Colony
Gulbarga 585 104(Karnataka State)
Cell : 9731428416

مسٹر کورونا وائرس سے انٹرویو

ایک دن علامہ کاروباری کاغذ کا پُلندا ہاتھ میں تھامے جھومتے ہوئے ہمارے اخبار "بجھتا چراغ" کے دفتر میں داخل ہوئے ہم سمجھ گئے علامہ ضرور کسی سے کیا ہوا انٹرویو اشاعت کے لئے لائے ہوں گے ہم نے علامہ سے پوچھا علامہ کاروباری صاحب آج کس کا انٹرویو لائے ہو؟ علامہ بولے "مسٹر خوش دل خاں افسردہ آج میں بجھتا چراغ میں اشاعت کے لئے کسی لیڈر، پلیڈر، دلیدر فسادی یا فسادی کا انٹرویو نہیں کرونا وائرس سے کیا ہوا انٹرویو لایا ہوں" یہ سن کر پہلے تو ہم حیران رہ گئے پھر یہ سوچ کر نارمل ہو گئے کہ علامہ کرونا وائرس جیسے خوفناک اور جان لیوا وائرس کا انٹرویو لائے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ علامہ اس سے قبل گائے، بیل، مکھی، مچھر، کھٹمل، مرغی جیسے غیر مضر کیڑے مکوڑوں پرندوں اور جانوروں کے علاوہ سانپ شیطان، بجرنگی اور بھگوا پنچ رنگی سے بھی انٹرویوز کر چکے ہیں اور ہم بھی ان انٹرویوز کو اخبار بجھتا چراغ میں نمایاں طور پر شائع کرتے رہے ہیں علامہ کے انٹرویوز کی اشاعت کا ہی نتیجہ ہے کہ ہمارا اخبار ہاتھوں ہاتھ نہ صرف فروخت ہوتا ہے دریں اثنا شہر کے ہر گلی کوچے میں موجود چائے ہوٹلوں تہاری بریانی سنٹروں ٹھیلہ گاڑیوں حتیٰ کے ہاجیا حجام کی دوکان پر بھی نظر آتا ہے بجھتا چراغ کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس کا مطالعہ تعلیم یافتہ لوگوں کے ساتھ ساتھ ان پڑھ لوگ بھی ذوق و شوق سے کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں انٹرویو!

علامہ کاروباری: مسٹر کورونا وائرس بڑی پھرتی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہو کہاں جانے کا ارادہ ہے مطلب آج کس کس کی گردنیں دبوچنے کا ارادہ ہے۔!؟

کورونا وائرس: علامہ کاروباری صاحب میں کسی کو نظر نہیں آتا آپ نے مجھے کس طرح دیکھ لیا کہیں آپ کی آنکھیں دوربین یا میکرواسکوپ کا کام تو نہیں کرتیں۔ دوسری بات یہ کہ لوگ میرا نام سنتے ہی سر سے پیر تک لرز جاتے ہیں ایک آپ ہیں کہ مجھے دیکھ کر مجھ سے یوں مخاطب ہیں گویا میں کرونا وائرس نہیں تمہارا لنگوٹی یار ہوں جبکہ لوگ میرا نام سنتے ہی خوف سے کانپنے لگتے ہیں۔ انہیں لگتا ہے کہیں میں ان کی آتی جاتی سانسوں کا سلسلہ بند نہ کردوں۔ اس خوف سے لوگ چہروں پر ماسک لگاتے ہیں۔ دن میں دس بار صابن اور ہنڈ سینی ٹائزر سے ہاتھوں کو صاف کرتے ہیں آج کل ویکسن کا ٹیکہ لگانے کے بھی خوب چرچے ہیں۔

علامہ: پہلی بات تو یہ کے خدا کے بعد میں کسی سے ڈرتا ہوں تو وہ ہے میری اکلوتی بیوی بی جان بیگم دوسری بات یہ کہ میں تمہارا انٹرویو کرنا چاہتا ہوں۔ تیسری بات یہ کہ تم میرے نام سے واقف ہو حیرت ہوئی۔

کورونا: علامہ آپ سے کون واقف نہیں؟ آپ کسی کورونا وائرس سے کم نہیں۔ اس شہر کے لوگوں کا کہنا ہے کورونا کا کاٹا بچ بھی سکتا ہے آپ کا کاٹا پانی بھی نہیں مانگتا جیتے جی مر جاتا ہے۔ مجھے اس بات کا بھی علم ہے آپ کی حرکتوں اور حماقتوں سے آپکی اہلیہ سے لے کر اہلیان شہر تک تنگ آچکے ہیں۔ آپ کے سسرال والوں کا خون خشک ہو چکا ہے پھر بھی وہ آپ کو برداشت کر رہے ہیں کیونکہ آپ انکے اکلوتے داماد ہی نہیں گھر داماد ہیں۔

علامہ: مسٹر کورونا تمہاری باتیں سن کر مجھے حیرت انگیز مسرت ہوئی کہ میں انسانوں میں ہی نہیں زہریلے اور جان لیوا جراثیم (وائرس میں بھی مقبول ہوں خیر جانے بھی دو میری مقبولیت اور تمہاری ہیبت کو اب کچھ کام کی باتیں ہو جائیں۔

ڈسمبر 2019ء میں تم لوگ (کورونا وائرس) چین سے نکل کر دُنیا بھر میں پیر پھیلانے لگے تو اکتوبر 2020ء تک تم نے جو جو قیامت ڈھایا ہے اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے حملے کی پہلی لہر میں کچھ کمی آرہی تھی کہ دوسری لہر نے ساری دُنیا کو دہلا دیا ہے نہ دوائیں کام آرہی ہیں اور نہ دُعائیں نہ انجکشن اپنا کام کر رہے ہیں اور نہ ویکسن اپنا اثر دکھا رہا ہے۔ آج کل ہمارے ملک بھارت میں کورونا کے ہر روز لاکھوں کی تعداد میں کیس سامنے آرہے ہیں۔ ہزاروں لوگ مر رہے ہیں۔ آکسیجن اور دواؤں کی قلت سے مرنے والوں کی تعداد میں بھی دن دوگنی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے۔ تم (کورونا وائرس) اتنے بے رحم اور جان لیوا کیوں ثابت ہو رہے ہو۔ آخر انسانوں سے تمہاری کونسی دشمنی ہے۔!؟

کورونا: علامہ ہم (کورونا وائرس) کیا اپنی مرضی سے انسانوں پر قہر ڈھا رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کاڑی بھی نہیں ہلتی ہماری کیا مجال کہ انسانوں کے پھیپھڑوں میں داخل ہو کر انہیں اسپتال پہنچانے یا ان کی جان لینے کی کوشش کریں۔ ہمارے پیچھے خالق کائنات ہی کا تو دخل ہے آپ نے بھی علماء سے سنا ہو

گا بڑی اور آخری قیامت سے پہلے اللہ تعالیٰ انسانوں پر چھوٹی چھوٹی قیامتیں نازل کرتا ہے تا کہ اللہ کا خوف انسانوں کے دلوں پر طاری رہے انسان اپنے گھمنڈ اپنی بدکاری بے حیائی اور دیگر برائیوں سے توبہ کر لے تو ہر بلا محفوظ رہ سکتا ہے۔کورونا وائرس پہلی وبا نہیں ہے اس سے قبل بھی مختلف عہد میں مختلف وائرس دُنیا کو تہس نہس کر چکے ہیں آپ کو لوگوں کو بُرائیاں کرنے‘ اپنی جھوٹی علمیت کا ڈھنڈورہ پیٹنے‘ لوگوں کو بے وقوف بنانے سے فرصت نہیں ہے۔آپ تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ دور حاضر کا مشاہدہ۔بس اپنی ذات میں گم رہتے ہیں۔ چلئے میں آپ کی معلومات میں اضافہ کیے دیتا ہوں تا کہ آپ کے خالی بھیجے میں کچھ تو موجود رہے۔

☆سال 1347ء میں دی بلیک ڈیتھ (طاعون) نامی وائرس نے دُنیا میں وہ قیامت ڈھایا تھا کہ اس وبا سے کوئی بیس کروڑ لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔ سنتے ہیں یہ وائرس چوہوں کے ذریعہ پھیلتے تھے۔ادھر چوہے مرض میں مبتلا ہو کر گردن ڈال دیتے تو ادھر ان کے زخمی جسموں سے وائرس پھیل کر انسانوں کو لقمۂ اجل بنا دیتے۔ وائرس کا حملہ اتنا تیز ہوتا تھا کہ چند گھنٹوں کے اندر اندر پورے گھر کے افراد مر جاتے۔ شام تک گھر کو تالہ لگ جاتا۔لوگ طاعون سے گھبرا کر جنگلوں میں پناہ حاصل کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

☆سال 1492ء میں اسمال پاکس (چیچک) نامی وائرس (مرض) نے چھ کروڑ لوگوں کو ہلاک‘ سینکڑوں لوگوں کو نابینا اور بدشکل بنا دیا تھا۔

☆سال 1918ء میں کالرا (ہیضہ) نامی وبا نے دُنیا کے پانچ کروڑ لوگوں کو قبرستان اور شمشان پہنچا دیا تھا۔

☆سال 1968ء میں سوائن فلو‘ سال 2009ء میں ایچ۔ون۔ین۔ون نامی بخار (وائرس) نے لاکھوں لوگوں کو ٹھنڈی نیند سلا دیا تھا۔

علامہ: مسٹر کورونا انسانوں کی جان لینے کے لئے اللہ تعالیٰ ان مہلک وائرس کو دُنیا پر کیوں نازل کرتا ہے؟

کورونا: جب جب انسانوں کے بوجھ سے زمین لد جاتی ہے انسانوں کی بُرائیوں، بے حیائیوں اور بدکاریوں کو دیکھ کر زمین آنسو بہانے لگتی تو اللہ تعالیٰ ان وباؤں کو نازل کرتا ہے زندگی اور موت کے درمیان توازن بھی تو باقی رہے۔ آبادی بڑھتی ہے تو کم ہونا بھی تو ضروری ہے۔

علامہ: مسٹر کورونا تمہاری باتیں تمہاری سوچ اور تمہاری معلومات پر حیرت اور اپنی کم علمی پر شرمندگی ہو رہی ہے۔

کورونا: پھر بھی لوگ آپ کو عالم اور دانشور سمجھتے ہیں اس لئے لوگوں نے آپ کو علامہ کا خطاب دے رکھا ہے۔

علامہ: اس دور میں مجھ جیسے کم علم ہی عالم اور دانشور کہلانے لگے ہیں۔اصل عالم اور دانشور گوشہ نشین ہوتے جا رہے ہیں۔

کورونا: گویا "اصل پھسل پڑے نقل سر چڑھے" والا معاملہ ہے۔

علامہ: بس یہی معاملہ ہے مسٹر کورونا میرے ساتھ کچھ دیر گفتگو کرنے کے لئے شکریہ!!☆☆☆

سبطین پروانہ

دیلال پور۔ڈاکخانہ سالماری

ضلع کٹیہار (بہار)

ماں

(منی کہانی)

تحفہ سلطان کی کلاس فیلو تھی۔وہ بچپن ہی سے سلطان کے دل میں جگہ بنا چکی تھی۔دونوں ایک دوسرے سے والہانہ پیار کرتے تھے۔آج وہ دن بھی آ گیا جب سلطان تحفہ کو دلہن بنا کر اپنے گھر لے گیا۔تحفہ ایک آزاد خیال اور جدید تہذیب کی پروردہ تھی۔اسے سلطان کے بوڑھے ماں باپ کا بوڑھا گھر راس نہ آیا۔چنانچہ وہ سلطان کو ساتھ لے کر شہر چلی گئی۔دونوں شہر کی رنگینیوں میں کھو گئے۔سلطان نے وہاں بڑی کوششوں کے بعد ایک شاندار بنگلہ بھی بنا لیا۔ساتھ میں کار‘ نوکر چاکر اور دیگر سہولیات بھی حاصل کر لیں۔البتہ وہ اپنی ماں کو نہیں بھولا تھا اور برابر خط بھیجا کرتا تھا۔ایک دن اس کی ماں شاکرہ بیٹے کا خط پا کر جواب لکھنے بیٹھی تو زوردار طوفانی بارش شروع ہو گئی۔ خستہ حال مکان کی چھت ٹپکنے لگی اور کمرے میں پانی بھر گیا۔سوچنے لگی یا خدا میں اپنے لاڈلے کے خط کا جواب کیسے لکھوں۔میرے اللہ تھوڑی دیر کے لیے بارش روک دے تا کہ بیٹے کو خط لکھ سکوں پھر چاہے جتنی بارش برسانا۔وہ کہتی جاتی تھی اور لوٹے سے گھر میں جمع پانی کو باہر پھینکتی بھی جاتی تھی۔

شاکرہ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کا بیٹا شہر میں عیش و آرام کی زندگی گزار رہا ہے جبکہ وہ یہاں تنہا مصیبتوں کے نرغے میں ہے۔اس کے باوجود بیٹے کے لیے اس کی زبان سے حرفِ شکایت کبھی نہیں نکلا بلکہ ہمیشہ وہ دعائیں ہی دیتی رہی۔ بیٹا اگر چاہتا تو اسے اپنے پاس شہر بلا کر رکھ لیتا۔مگر بیوی کی ناز برداری میں وہ اپنے فرائض کو بھول چکا تھا۔ادھر ماں نے تکلیفیں سہہ کر بھی زبان سے اف تک نہ کی بلکہ اپنے بیٹے کو دعاؤں سے نوازتی رہی۔ ہر ماں کی یہی فطرت ہوتی ہے۔

☆☆☆

عطیہ پروین

NayaMakanVill/Post:Saidpur

Dist:Ayodhya-224118(U.P)

ایک قطعہ

چاند تارے تم پہ کر دیں ہم نثار — کاش کہ اک بار آؤ خواب میں
ہنس نہیں پاتے تمہارے بعد ہم — تم ہی کچھ آ کر ہنساؤ خواب میں

طنز و مزاح

عزادار حسین ساجد جلالپوری
Mohalla Jafarabad
\P.O:Jalalpur.Dist:Ambedkarnagar
(U.P)
MOB-9415581432

بلند پرواز شاعر

یہ بہت مخصوص اور وی آئی پی شاعر ہوتے ہیں جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے اس قسم کے شاعروں کے گھروں کے دروازے اور دماغ کی کھڑکیاں ATM کی طرح چوبیس گھنٹے کھلی رہتی ہیں ان کے شعری اکاونٹ میں کبھی کمی نہیں رہتی۔ ہمیشہ اشعار کی فکر میں بلندی پر سوچتے ہیں۔ ناسا، اسرو وغیرہ خلائی اداروں کے سائنس داں اتنی محنتوں، روپیوں پیسوں کے بعد کیسے کیسے فقط چاند اور مریخ تک پہونچے ہیں لیکن یہ جب چاہتے ہیں بغیر پیسوں میں چند لمحے میں فضاؤں، خلاؤں، سیاروں، ستاروں، آسمانوں کی سیر کر کے چلے آتے ہیں۔ تخیل کی دنیا میں پرواز کرتے کرتے اتنی بلندی پر پہونچتے ہیں کہ فرشتوں کے پروں کی آوازیں ہی نہیں سنتے، ان سے دو بات کر لیتے ہیں۔ خیر فنکار تو ہیں ہی۔ جس رنگ میں چاہیں خود کو رنگ لیں۔ کتنی ہی بلندی پر چلے جائیں۔ سب علاقہ انہیں کا ہے۔ بلا روک ٹوک کہیں بھی آ جا سکتے ہیں۔

عام طور سے مشہور ہے کہ بغیر مرے جنت نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن یہ زندہ رہ کر ہی جنت کا نظارہ کر لیتے ہیں۔ بعض لوگ تو خیالوں میں اتنا مگن ہو جاتے ہیں کہ شاخ طوبیٰ پر بیٹھ کر لکھنے لگتے ہیں۔ اب خدا معلوم کہ قلم بھی دنیا سے لے جاتے ہیں یا طوبیٰ کی کسی شاخ کو ہی قلم کر کے قلم بنا لیتے ہیں۔

یہ ہمیشہ اونچائی پر ہی پرواز کرتے ہیں۔ ان کے پیر جلدی زمیں پر نہیں پڑتے۔ جب سے انہوں نے ایک پرندے کے متعلق پڑھ لیا کہ ایک پرندہ ایسا ہے جو کبھی زمیں پر پیر نہیں رکھتا۔ وہ اپنا آشیانہ درختوں یا پہاڑوں پر بناتا ہے وہیں سے فضاؤں میں اپنا شکار تلاش کر کے فضاؤں میں اس کا خون چوس کر چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی پرندے پر جھپٹتا ہے اور وہ اپنی جان بچانے کے لئے زمیں پر بیٹھ جائے تو اس کی جان بخش دیتا ہے اپنے اصول کے خلاف نہیں جاتا۔ اسی پرندے کی تقلید میں شعراء بھی ذہنی فضاؤں میں پرواز کرتے رہتے ہیں اور جیسے ہی کوئی مفہوم، مضمون، زمین، ردیف قافیہ، کو اڑتا دیکھا تو فوراً اس کا شکار کر کے شعر میں باندھ دیتے ہیں۔ اڑتے اڑتے دنیا کی سرحدوں کو پار کر کے دوسری دنیا کی سیر کر کے چلے آتے ہیں۔ نہ کوئی پاسپورٹ، ویزا، نہ ٹکٹ، نہ جسمانی سفر کا جھنجھٹ۔

ان کا قول ہے خدا جانے مرنے کے بعد جنت ملے نہ ملے وہ اعمال پر منحصر ہے۔ بلندی کا ملا ہوا چانس کیوں کھوئیں۔ لہٰذا ساتوں آسمان ہی نہیں آٹھوں جنت بھی دیکھ لیتے ہیں۔

ایک شاعر کا یہاں تک دعویٰ ہے کہ ہوائی جہاز بھی Indirect ایک بلند پرواز شاعر کی ایجاد ہے۔ ایروپلین بنانے کی تھیوری رائٹ برادران کو بلند پرواز شاعر سے ملی۔ جس پر برسوں پریکٹکل کرنے کے بعد اس کی ایجاد کی راہ ہموار ہوئی۔ لہٰذا یہ مفروضہ غلط ثابت ہوتا ہے کہ ہوائی جہاز کی ایجاد چیل، کوے کو فضاؤں میں اڑتا دیکھ کر ہوئی۔ بلکہ شاعروں کے دماغ کو بلندی پر اڑتے دیکھ کر ہوئی۔ اب خدا معلوم کہ یہ شعراء بے پر کی کیسے اڑا دیتے ہیں۔ ایک صاحب زبان کا بیان ہے کہ ’’بے پر کی اڑانا‘‘ محاورہ انہیں شاعروں کی ایجاد ہے۔

یہ اشعار کی فکر میں گم ہو کر اتنی بلندی پر چلے جاتے ہیں کہ کبھی کبھی ان کے ساتھ عجیب حادثے بھی ہو جاتے ہیں۔ یہ اپنا ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ ایک بار ایسے ہی ایک شاعر کسی رشتہ دار کے یہاں شادی کی تقریب میں گئے۔ وہاں میرج ہال میں مرد و عورت کا مشترکہ انتظام تھا۔ وہاں ان کی اہلیہ شلوار جمپر کے بجائے ساڑی زیب تن کر کے پہلے ہی پہونچ گئی تھیں۔ اتفاق سے یہ وہاں پہونچے۔ ان کی نگاہ ان پر پڑی تو نزدیک جا کر تعجب خیز لہجے میں کہا بہن جی میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے لیکن یاد نہیں آ رہا ہے۔

ماہرین کے مطابق ان کے اوپر اڑنے کی وجہ ہے ’’سگریٹ نوشی و شراب نوشی کی کثرت‘‘۔ سگریٹ کے دھنویں کے ساتھ صرف دماغ ہی بلندی پر اڑنے لگتا ہے لیکن شراب کے استعمال سے خود شاعر بھی بہت جلد اوپر چلا جاتا ہے۔ اب یہ شاعروں کا اپنا اپنا ظرف ہے کون کس چیز کا استعمال کثرت سے کرتا ہے۔ اردو ادب میں اس کی بے پناہ مثالیں ہیں وضاحت کی ضرورت نہیں۔

الغرض یا تو یہ زمین سے نیچے کی سوچتے ہیں یا آسمان سے اوپر کی۔ یہ اچھلتے ہیں تو اتنی بلندی پر کہ ثریا بھی قدموں کے نیچے آ جاتی ہے۔ اور گرتے ہیں تو اتنی گہرائی میں کہ تحت الثریٰ تک پہونچ جاتے ہیں۔

اسی لئے کوئی شاعر زمین پر چلنا نہیں چاہتا۔ خواب میں بھی ہوائی جہاز نظر آتا ہے۔ دو چار مشاعرہ پڑھنے کے بعد فلائٹ کا ٹکٹ مانگنے کی وجہ یہی ہے کہ فکر میں بلندی برقرار رہے۔

یہ شعراء جب جی چاہتا ہے نہرلبن و عسل میں غوطہ لگاتے ہیں۔ کبھی حوض کوثر میں چھلانگ لگا دیتے ہیں۔ کبھی تسنیم و سلسبیل وشراب طہور بھی غٹا غٹ پی جاتے ہیں۔ کبھی طوبیٰ کی شاخوں پر بیٹھ کر حوروں کے تصور میں غزلیں لکھنے لگتے ہیں۔ غالباً غالب نے ایسے ہی کسی شاعر کو جو وعظ و نصیحت کے ذریعہ ان شراب کو چھوڑنے کو اور شراب طہور پینے کی لالچ و رغبت دلا رہا تھا اس کو ٹوکا ہوگا۔

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو   کیا بات ہے تمھاری شراب طہور کی

غالب چونکہ بہت اعلیٰ فکر کے شاعر تھے۔ اور آج بھی ادب میں بلند مقام پر فائز ہیں۔ وہ عام شاعروں سے مشترک ہونا نہیں چاہتے تھے۔ جب سارے شہر نے داڑھی کو منڈایا تو انہوں نے داڑھی رکھ لی۔ جب سب نے داڑھی رکھی تو انہوں نے داڑھی منڈا دیا۔ یہ ان کے زندگی گزارنے کی الگ اسٹائل تھی۔ اسی لئے تو انہوں نے اپنا تخلص بدل ڈالا۔ جس وقت انہیں خبر لگی کہ جھجھر ریاست میں کوئی شاعر اسد تخلص اختیار کئے ہیں تو فوراً غالب تخلص رکھ لیا۔

بہر حال جب انہوں نے شعراء کی یہ بلند پروازی دیکھی کہ کوئی نیچے اڑنا ہی نہیں چاہتا۔ حور و غلمان سے کم پر بات ہی نہیں کرتا۔ تو وہ اتنے غصہ ہوئے کہ نہ صرف ان شاعروں سے بلکہ حوروں سے بھی یہ کہکر متنفر ہو گئے۔

جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں
ایسی جنت کا کیا کرے کوئی

اس کے بعد بھی ان کی ناراضگی دور نہیں ہوئی بلکہ جنت کی خواہش بھی ترک کر دی۔ اور ایک خط میں اس کا اظہار بھی کر دیا کہ اگر مان لو مغفرت ہو گئی اور جنت مل گئی۔ تو کیا وہی طوبیٰ کی ایک شاخ۔ وہی زمرد کے کاخ۔ چشم بددور، وہی حور، زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ طبیعت سخت گھبرائے گی۔ اس سے بہتر تو یہی دنیا ہے۔

خیر غالب صاحب کو فی الحال ان کے حال پر یہیں چھوڑتے ہیں کیوں کہ ہمارے پاس ابھی ابھی بریکنگ نیوز آ رہی ہے کہ خفیہ ایجنسیوں کو ان بلند پرواز شاعروں کی شدت سے تلاش ہے۔ دہشت گرد تنظیموں سے ان کے روابط کا پتہ چلا ہے شدت پسندوں سے ان کے تار جوڑے جا رہے ہیں کیوں کہ خود حملہ آوروں کے پاس سے ملے دھماکہ خیز مواد کے ساتھ حور و غلمان کے متعلق بے شمار عشقیہ اشعار بھی ان کی ڈائریوں میں ملے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک خودکش حملہ آور زندہ گرفتار ہوا تو اس نے بتایا کہ دراصل یہ دنیا ہمارے لئے کچھ نہیں ہے۔ ہم جیسے ہی خودکش حملہ کریں گے ادھر خوبصورت آنکھوں والی حوریں بانہوں کو پھیلائے ہمارا استقبال کرتی ہوئی ہمیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہیں۔ پھر وہاں جنت میں عیش ہی عیش ہے۔ ہمیں ان دنیا والوں اور دنیاوی کالی، گوری، نیلی، پیلی، عورتوں سے کیا لینا دینا۔ جب ان پر تھرڈ ڈگری ٹارچر ہوا کہ یہ انسانوں کو مارنے کا بیہودہ سبق تم نے کہاں سیکھا۔ تو بتایا کہ ایک بلند پرواز شاعر سے۔ جس کے اشعار میں حوروں کی خوبصورتی کا اتنا رومانٹک انداز سے بیان کیا گیا کہ ہمیں حوروں سے محبت ہوگئی۔ اور دنیا سے نفرت ہوگئی۔ اور دل میں سوئی ہوئی تمنا انگڑائی لے کر جاگ گئی کہ فوراً ہمیں حوروں سے ملاقات کرنا ہے۔ تو ہم نے آناً فاناً ایک مولوی سے وہاں جلدی پہونچنے کا راستہ پوچھا تو اس نے بتایا کہ سب سے شارٹ کٹ راستہ یہی ہے کہ نماز روزہ چھوڑو۔ اور مسجدوں، عبادت گاہوں، اسکولوں، میں معصوموں پر خودکش حملہ کرو۔ فوراً جنت میں جاؤ۔ خفیہ ایجنسیوں نے ابھی حال میں دوسرے خودکش حملہ آور کو گرفتار کیا تو اس نے بھی یہی جرم قبول کیا کہ میں ایک شاعر کی حوروں کے متعلق تقریریں اور اشعار سن سن کر اس فیلڈ میں آیا ہوں۔

اب وہ دن دور نہیں جب ایسے سنسنی خیز لالچی واقعات و خیالات نظم کرنے والے شاعروں کو باقاعدہ گرفتار کر القاعدہ سے رابطہ جوڑ دیا جائے گا۔ لہٰذا بلند پرواز شاعروں سے گذارش ہے کہ اپنے خیالات کا محدود دائرے میں استعمال کریں۔ بہت اونچی اڑان نہ بھریں۔ ورنہ ان کو قید خانہ میں بھرا جا سکتا ہے۔ توپوں سے اڑایا جا سکتا ہے۔ اس لئے بہت بلندی پر اڑنے کی ضرورت نہیں۔ زمین پر خود ہی اتنے موضوعات، مسائل ہیں اسی میں لگ کر اس کو بلند کر کے لوگوں کا حق دلائیں۔

تم آسماں کی بلندی سے جلد لوٹ آنا
ہمیں زمیں کے مسائل پہ بات کرنی ہے

☆☆☆

سید قطب عالم طلعت

PumpHouseRoad.GuruNanak
Chowk.Torwa.Bilaspur-495004

ہراک گناہ سے وہ بے نیاز ہو جایے
جو میکدے میں رہے پاکباز ہو جایے
اِدھر اُدھر ہو بپا ایک فتنۂ محشر
جدھر جدھر نگہہِ نیم باز ہو جایے
خود ہی قدم پہ جھکے عشق کا وقارِ خودی
نگاہِ حسن اگر جلوہ ساز ہو جایے
تم اپنا عکس چھپا دو ہماری آنکھوں میں
زمانہ پھر نہ کہیں حیلہ ساز ہو جایے
یہ بارگاہِ محبت کی لاج ہے طلعت
کہیں نہ فاش محبت کا راز ہو جایے

غـــزلیـــــات

عبدالمجید فیضی

12/106,Nayapara
Sambalpur-768001(Odisha)

ہے سارے جہاں میں تباہی تباہی
یہاں ظالموں کی ہے اب بادشاہی
ہیں مجرم سبھی کارپردازِ شاہی
سزاوارِ تعزیر ہے بے گناہی
وہی کرّ وفر ہے وہی ظلمِ بے جا
ہو جمہوریت یا کہ ہو بادشاہی
نہ اب کوئی راجا' نہ ہی کوئی پرجا
رہا رنگ نیتاؤں کا پھر جدا بھی
کہاں امتیاز اب ہے نیکی بدی کا
کسے ہے شعورِ اوامرٗ نواہی
ہے بس کارفرمائی باطل کی فیضیؔ
نہیں دیتا کوئی بھی حق کی گواہی

ڈاکٹر قطب سرشار

H.No:5-198.B/1,Seshadri
Nagar.MahboobNagar-1(T.S)

تحیراتِ زمان و مکاں کی ہر تحقیق
کمالِ عرضِ ہنر ہے کہ لذتِ تخلیق
جھلستا جاتا ہے نارِ حسد میں ذہنِ حریق
محبتوں کی طراوت سے نم ہے قلبِ صدیق
تغیراتِ شب و روز اور حجابِ نظر
جو شرح صدر ہو کھل جائیں سب رموزِ عمیق
وہ سرو قد سہی سایہ مگر ہے اس کا بخیل
فراخ سایہ فگن ہے سوادِ نخلِ خلیق
غلام نفس و پراگندہ تر ہیں وارثِ حق
یہ وصفِ جہل ہیں' یہ ناشناسِ عہدِ عتیق
نہ خوفِ مرگ نہ احساسِ بے ثباتی ہے
وفورِ عشرتِ جاں میں مگن ہیں سارے فریق

انیس منیری

1,HusainSahebKiChali
AnsarNagar.RakhailRoad
Ahmedabad-380023(Gujrat)

گلستاں جلتا رہا ہم آشیاں دیکھا کیے
پھر یہ گرتی ہے کہاں برقِ تپاں دیکھا کیے
کیا گلہ' کس سے گلہ' کس کا گلہ کیا کیجئے
ہم ہوئے تاراج سارے مہرباں دیکھا کیے
گردشیں' بربادیاں' ویرانیاں' جورِ فلک
کیا ہمیں دکھلایے گا دورِ زماں دیکھا کیے
رہ گئے ہم قافلہ منزل کی جانب چل دیا
دشتِ غربت میں غبارِ کارواں دیکھا کیے
اہلِ ظلم و جور کا برپا تھا وہ نرغہ کہ ہم
ظلم کا منظر بہ چشمِ نیم جاں دیکھا کیے
اے انیسؔ اس کہکشاں کے تارے تارے نے کہا
اہل کو محروم تاجِ خسرواں دیکھا کیے

مومن خاں شوق

AshrafVilla.H.No:11-3-723
Mallepally.Hyderabad

حالات کے پتھراؤ میں جینے کی ادا دو
ماحول کو تم اپنے تبسم کی ضیا دو
یہ روز کے جھگڑے' یہ تعصب' یہ تصادم
انسان کو انسان سے اک بار ملا دو
ساقی کو ترس آیے گا ہم تشنہ لبوں پر
زنجیرِ درِ میکدہ چپکے سے ہلا دو
سورج بھی اندھیروں کی ردا اوڑھے ہویے ہے
یہ کیسی سحر ہے ہمیں اتنا تو بتا دو
آدابِ جنوں سیکھنا آساں نہیں لیکن
تم راہِ خرد سے کبھی خود کو تو ہٹا دو
اس شہر میں تم سکّۂ دوراں کی طرح ہو
تم چاہو جسے شوقؔ سے فنکار بنا دو

ابرار نغمی

Raisen(M.P)Mob-9424433844

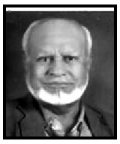

تم میری تمنا ہو' مرا خواب ہو کیا ہو
نغمہ ہو' سکونِ دلِ بیتاب ہو کیا ہو
پھولوں کی نزاکت میں ہے جھرنوں کا تبسم
تم شہرِ محبت کا حسیں باب ہو کیا ہو
دیدار سے پاتا ہے جلا ذوقِ نظارہ
جگنو ہو یا پھر جلوۂ مہتاب ہو کیا ہو
آجاؤ جو تم لوٹ کے آجائیں بہاریں
خوشبو ہو کہ' اک رنگ کا سیلاب ہو کیا ہو
تم جس پہ مہرباں ہو وہی سرخرو ہو جایے
سایۂ ہما یا پرِ سرخاب ہو کیا ہو
کوشش میں پکڑنے کی تہی دست ہے نغمیؔ
خوشبو ہو کہ سایہ ہو کہ سیماب ہو کیا ہو

سرور پنڈولوی

RoseStudyCircle.StationRoad
Pandawal.Dt:Madhubani-847234
(Bihar).Mob-9905035274

مری نفرت محبت سے تمہاری ہار جاتی ہے
امیری میری غربت سے تمہاری ہار جاتی ہے
سماتا ہی نہیں ہے نور تیرا میرے شعروں میں
غزل میری شباہت سے تمہاری ہار جاتی ہے
مری ہمت تو بھائی سے ملا دیتی ہے بھائی کو
مگر گندی سیاست سے تمہاری ہار جاتی ہے
گواہوں کو میں کرلیتا تو ہوں اپنی حمایت میں
مری قسمت عدالت سے تمہاری ہار جاتی ہے
میں تم کو جیتتا رہتا ہوں اکثر ہجر سے جاناں
طبیعت اپنی قربت سے تمہاری ہار جاتی ہے
ردیفیں تو برتتے ہو نئی سرورؔ مگر شاید
تمہاری فکر ندرت سے تمہاری ہار جاتی ہے

مہدی پرتاپ گڑھی

28-SchoolWard.Partapgarh(U.P)

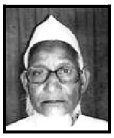

یہ کیا ہوا ہے کہ بس خاک ہی اڑاتی جایے
کہو ہوا سے کہ کچھ پھول بھی کھلاتی جایے
یہی ہوا جو طرف دار آج ہے تیری
عجب نہیں ترے گھر کے دیے بجھاتی جایے
چلائی جایے وہ تحریک جس سے دل ہوں شاد
جو گھپ اندھیروں میں کچھ روشنی دکھاتی جایے
بشر کو وحشی بناتی ہے آج کی تہذیب
کرو دعا کہ ہمیں آدمی بناتی جایے
یہ سرپھری ہوا میرا ہی پوچھتی ہے مزاج
کبھی تو ان کی بھی زنجیرِ در ہلاتی جایے
نوائے مرغِ سحر خوب ہے مگر مہدی
جو خواب میں ہیں پڑے ان کو بھی جگاتی جایے

ڈاکٹر مسعود جعفری

موبائل۔8367391303

قید میں ظلم کے گھبرا کے غزل کہنے دے
در و دیوار سے ٹکرا کے غزل کہنے دے
مری تنہائی مجھے کاٹنے لگتی ہے بہت
وصل کے لفظ کو دہرا کے غزل کہنے دے
دیکھنا یہ ہے نکلتے ہیں نتائج کیا کیا
گردشِ وقت کو ٹھہرا کے غزل کہنے دے
شام کے نیم اندھیرے میں غزل کیا معنی
رات کو اور بھی گہرا کے غزل کہنے دے
اسی کاغذ پہ بکھرنے دے پرانے منظر
ہجرِ مسعود کو درشا کے غزل کہنے دے

جمیل فاطمی

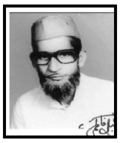

At/P.O:Lakhmaniya
Dist:Begudarai-851211
Bihar

جو میرا جادۂ منزل رہا ہے
سدا تقلید کے قابل رہا ہے
جسے سمجھا تھا میں نے دوست اپنا
وہ میرے حال سے غافل رہا ہے
چمن کا ذرہ ذرہ سینچنے میں
ہمارا خون بھی شامل رہا ہے
مرے احباب سب اہلِ ہنر ہیں
مرا اپنا بھی اک سرکل رہا ہے
پڑا ہے رن سیاسی ٹولیوں میں
سنگھاسن آشتی کا ہل رہا ہے
ہے میری ذات سے کد جس کو وہ بھی
مرے اخلاص کا قائل رہا ہے
غزل کہہ کر وہ بہلاتا ہے خود کو
جمیلؔ اب اور کس قابل رہا ہے

ہارون سیٹھ سلیم

Saiban.2/3,SpencerRoad
FraserTown.Bangalore-560005

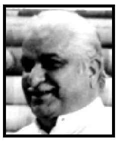

پربتوں کی چھاؤں میں، دوستوں کے گاؤں میں
سوچتا ہوں جاؤں میں لوٹ کر نہ آؤں میں
گھر وہاں بساؤں میں زندگی بتاؤں میں
کیوں نہ رونے والوں کو عمر بھر ہنساؤں میں
دشمنوں کے سنگ کیوں کر دوستی بڑھاؤں میں
جلنے والے لوگوں کو کیوں گلے لگاؤں میں
کچھ تو کر دکھانا ہے کیوں نہ کر دکھاؤں میں
جشن کامیابی کا کیوں نہ اب مناؤں میں
زندگی کے رنج و غم پل میں بھول جاؤں میں
پی کے اس کی آنکھوں سے تشنگی مٹاؤں میں
سن چکے مری بپتا اور کیا سناؤں میں
جل رہا ہے دل میرا شمع کیوں جلاؤں میں

قاضی انصار

H.No:4A,AnupamGasAgency
ShiksakNagar.Khandwa(M.P)

مطمئن ہو اگر اس کے کردار سے
اور کیا چاہیے قاضی انصار سے
کوئی ہے خوش بہت اپنے گھر میں مگر
کوئی مایوس ہے اپنے گھر بار سے
جانے کیا بات ہے جانے کیا راز ہے؟
لوگ ڈرنے لگے ہیں مددگار سے
اپنا شیوہ یہی اپنا مقصد یہی
نفرتوں کو مٹائیں گے ہم پیار سے
کوئی گر کر اٹھے کوئی اٹھ کر گرے
میں کہ چلتا رہا اپنی رفتار سے
غالباً کیا یقیناً یہی بات ہے
کچھ تعلق غزل سے کچھ انصار سے

قاضی سید محی الدین عاجز تاندوروی

تیر و نشتر کی بات کرتے ہو
کیوں سدا شر کی بات کرتے ہو
ہم وہ پیاسے جو اوس کو ترسے
تم سمندر کی بات کرتے ہو
یہ بھی کوئی طریق ہے یارو
چوک میں گھر کی بات کرتے ہو
عشق، الفت، خلوص، یاری اف
کس زمانے کی بات کرتے ہو
گھر سے فرصت ملی تمھیں عاجزؔ
تم جو باہر کی بات کرتے ہو

حیدرمظہری

H.No-255,Ex-ServicemenColony
CowlBazar.Bellary-583102
Mob-9844428175

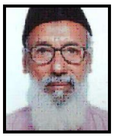

زرد مرے اضطراب رہنے دے
یوں دلوں پر عذاب رہنے دے
خشک آنکھوں میں خواب رہنے دے
دشت ہے تو سراب رہنے دے
خوش ہے دنیا تو میں بھی راضی ہوں
یوں ہی مجھ کو خراب رہنے دے
کچھ امیدوں کے سائبان بنا
موسموں کا عتاب رہنے دے
میری کم مائیگی بجا لیکن
تو کرم بے حساب رہنے دے
نیک اعمال ہیں تو بس حیدر
ذکرِ اجر و ثواب رہنے دے

ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمؔی

RahmatColony.Doranda
Ranchi-834002

وہ شگفتہ گلاب جیسا ہے
اس کا چہرہ کتاب جیسا ہے
کر کے احسان وہ جتاتے ہیں
یہ کرم بھی عذاب جیسا ہے
ساری دنیا ہے معتقد جس کی
وہ جو خانہ خراب جیسا ہے
اس کے چہرے پہ نور کی بارش
ہو بہو ماہتاب جیسا ہے
آپ دریا جسے سمجھتے ہیں
درحقیقت سراب جیسا ہے
یہ اندھیرا ابھی دل کے آنگن کا
جان لیوا عذاب جیسا ہے
اس کی قربت کی آرزو کرنا
ایک مفلسِ کے خواب جیسا ہے
حال بزمؔی کا پوچھتے کیا ہو
اک شگفتہ رباب جیسا ہے

ڈاکٹر سیفی سرونجی

Editor,Aalmi Intesaab
Sironj(M.P)

میں نے دنیا تری جاگیر بھی ٹھکرائی ہے
تب کہیں علم کی دولت بھی یہاں پائی ہے
صرف الفاظ کے اظہار میں سچائی ہے
میرے شعروں میں نہ گہرائی نہ گیرائی ہے
یہ کتابیں تو مرا قیمتی سرمایہ ہیں
میں اکیلا ہوں' مرا کمرہ ہے' تنہائی ہے
شخصیت آپ کی اخلاق میں پوشیدہ ہے
اپنے کردار کی سب سے بڑی سچائی ہے
ہر غلط بات پہ خاموش رہیں گے کتنا
بات کہنے میں مگر اور بھی رسوائی ہے
ایک اللہ ہے مرے ساتھ میں ہردم ورنہ
کوئی ہمدرد ہے میرا نہ کوئی بھائی ہے

ڈاکٹر نلنی وبھا نازلؔی

Retd.AssociateProfessor
At/P.O:Bhuta.Dt:Hamirpur
(H.P)Mob-9418304634

یہ دنیا عجب شے ہے کب کس کو سمجھ آئی
یہ خود ہی تماشا ہے اور خود ہی تماشائی
اے گوشہ نشیں دنیا تجھ پہ تو ہے اب آئی
اک عمر سنی ہم نے موسیقیِ تنہائی
سوکھی ہوئی شاخوں کو سرسبز کیا اس نے
بخشی ہے ہر اک شے کو اس نے ہی توانائی
نغماتِ اجل گا کر فنکار ہوا رخصت
فنکار کی دنیا کو دنیا نہ سمجھ پائی
اس دور کا سچ یہ ہے مطلب کے ہیں سب رشتے
اتنا بھی نہ سمجھی تو اے نازلؔی سودائی

ایوب عادل

MasjidMohalla.P.O:Angus
Dist-Hooghly-712221
(W,B)

دو مختلف اصولوں و رسموں کی دوستی
تاریکیوں نے کر لی چراغوں سے دوستی
اہلِ جہاں یہ جان کے حیرت میں پڑ گئے
ذرے کریں گے چاند ستاروں سے دوستی
اس دورِ ارتقا پہ بھروسا نہ کیجئے
کس وقت کر لے رات لٹیروں سے دوستی
اک دوسرے سے ظاہری نفرت کا ڈھونگ ہے
پردے میں ہے خزاں کی بہاروں سے دوستی
بھوکا تڑپتا پھول سے بچے کو دیکھ کر
مجبوریوں نے کر لی گناہوں سے دوستی
کرتا زمانہ آپ کی بھی قدر و منزلت
عادؔل اگر جو ہوتی کتابوں سے دوستی

صبیحہ صدؔف

DietCampus.WardNo-11
Dist:Raisen-464551(M.P)
Mob-8349346383

ہم کو خیالِ یار کی عادت سی ہوگئی
دل کو بھی انتظار کی عادت سی ہوگئی
راہِ حیات میں تھے کھڑے جابجا ببول
سو ہم کو خارزار کی عادت سی ہوگئی
اس کو بھی پاس وعدے کا اپنے نہیں رہا
ہم کو بھی اعتبار کی عادت سی ہوگئی
اک روز اس نے پیار سے دیکھا تھا اور بس
پھر ہم کو اس سے پیار کی عادت سی ہوگئی
ہم نے بھی اب خزاؤں سے رشتہ بنا لیا
اس کو بھی نوبہار کی عادت سی ہوگئی
کانٹے جب اپنے سر کو اٹھانے لگے صدؔف
پھولوں کے کاروبار کی عادت سی ہوگئی

عزیز خاں عزیزؔ

ShairAnjuman.Shegaon
Mob-7385535506

مضطرب بے سبب جگر تو نہیں
حال جو ہے اِدھر اُدھر تو نہیں
اس قدر وہ کبھی نہیں روتے
یہ سفر آخری سفر تو نہیں
میرے خوابوں میں آپ کا آنا
بس خیالوں پہ منحصر تو نہیں
کوئی رہزن نظر نہیں آتا
لوٹنے والا راہ بر تو نہیں
آج ہر دل عزیزؔ ہوں میں بھی
میری جانب تری نظر تو نہیں

ڈاکٹر وارث انصاریؔ

PattiShah.Fatehpur(U.P)
Mob-9935005032

آئینے سے کبھی ہٹ کر دیکھو
شخصیت اپنی پلٹ کر دیکھو
جو کہ لے جایے برائی کی طرف
ایسے ماحول سے ہٹ کر دیکھو
پار ہو جایے گی کشتی بیشک
بپھری موجوں سے لپٹ کر دیکھو
پھر نہ ٹھہرے گا مقابل کوئی
مردِ میداں ہو تو ڈٹ کر دیکھو
جس میں اسلاف کی تعلیم بھی ہو
ایسے اسباق کو رٹ کر دیکھو
متحد ہوکے بنو تم فولاد
خاک ہوجاؤگے بٹ کر دیکھو
بھول جایے گی یہ دنیا وارثؔ
اپنے ماضی سے تو کٹ کر دیکھو

کے انیس اظہرؔ

374,KhateebStreet.Periapet
Vanniyambadi,Dt:Vellore-635751

اب اسے روز کا معمول بنا رکھا ہے
اپنا گھر سب کے لیے ہم نے کھلا رکھا ہے
جان لے لے گی کسی دن وہ دوا خود اس کی
زہر کا نام یہ جس نے بھی دوا رکھا ہے
میں نے چاہا ہے دل و جاں سے بھی بڑھ کر تم کو
اور تم نے مجھے دانستہ بھلا رکھا ہے
انتظار اس کا ہر اک رات کیا کرتا ہوں
اس لیے در پہ دیا میں نے جلا رکھا ہے
حسرتِ دید لیے پھرتا ہوں مارا مارا
ایک ہی غم ہے جو دنیا سے چھپا رکھا ہے
اس کی تربت کو ضیا بار کرے گا اک دن
جو دیا اس نے سرِ راہ جلا رکھا ہے
غم زمانے میں سبھی کو ہیں مگر اے اظہرؔ
تم نے رو رو کے برا حال بنا رکھا ہے

رابعہ شرفؔ

Fatehpur(U.P)

خود کو اک انساں بنانا چاہیے
دوسروں کے کام آنا چاہیے
حوصلہ پیدا کرو اپنے میں تم
غم میں رہ کر مسکرانا چاہیے
جن میں نفرت کی ذرا بو باس ہے
ایسی دیواریں گرانا چاہیے
دل ہوں جن کے ایک پتھر کی طرح
نرم دل ان کو بنانا چاہیے
طنز کے پتھر چلاتے ہیں جو اب
آئینہ ان کو دکھانا چاہیے
آندھیاں چلتی ہیں گرچہ اے شرفؔ
شمعِ ہمت کو جلانا چاہیے

شاعر فتحپوری

ChamanGanj.Kanpur
(U.P)Mob-9935416865

حوصلہ وہ مجھے بڑھنے کا دیا کرتی ہے
کوئی پرچھائیں مرے ساتھ چلا کرتی ہے
صرف یہ میرے لیے ہی نہیں مخصوص دعا
زندگی اوروں کے حق میں بھی دعا کرتی ہے
اب کسی میں نہیں جرأت کہ بجھایے اس کو
میرے ایوانوں میں جو شمع جلا کرتی ہے
کون اس کے رخِ روشن سے ہٹاتا ہے نقاب
ہم تو کرتے نہیں یہ کام ہوا کرتی ہے
رنج و آلام کے دن کاٹ دیے ہنس ہنس کر
ایک اک سانس مری شکرِ خدا کرتی ہے
شبِ فرقت میں جلا رکھی ہے شمع لیکن
دیکھنا یہ ہے کہ کب تک وہ وفا کرتی ہے
چند لفظوں کی ہے روداد مری اے شاعرؔ
اب بھی تنہائی مرے ساتھ رہا کرتی ہے

نثار فتحپوری

MauzaBagita.Dt:Banda(U.P)
Mob-9793240673

تم ملو تو کوئی گفتگو ہم کریں
راہ چلتوں سے کیا آرزو ہم کریں
کوئی وعدہ تو کرلو ملاقات کا
بات دل کی کبھی روبرو ہم کریں
اپنی منزل تو ہے تیرا نقشِ قدم
تو کہے تو تری جستجو ہم کریں
پیار ہی پیار ہو سارے سنسار میں
پیار کی روشنی چارسو ہم کریں
آنے والی ہے شاید قیامت یہاں
آبِ زم زم سے آؤ وضو ہم کریں
اے نثارؔ ایک دوجے کے دل میں رہیں
کام جو بھی کریں دوبدو ہم کریں

اقبال سلیم
No:97,Aiwan-e-Tahera
4thMain,8thCross,J.H.B.C.S Layout
J.P.NagarPost.Bangalore-560111

انشائیہ

خوش دامن

جہاں تک چوٹی کا سوال ہے خوش دامن کی چوٹی سوا تمام چوٹیاں سر کی جا چکی ہیں۔یعنی وہ زلفِ گرہ گیر جس کے بارے میں چچا غالب نے کہا تھا۔

کون جیتا ہے تیرے زلف کے سر ہونے تک

ابتدائے آفرینش سے ہی خوش دامن اپنے فولادی وجود کے لئے مشہور یا بدنام ہے۔تمام اقوامِ عالم میں خوش دامن کے رنگ، نسل اور مزاج میں تضاد کے باوجود روح ایک ہی ہے۔اس کے رعب وجلال اور دبدبہ کا یہ عالم ہے کہ وہ بیک وقت اپنے خاندان کی وزیرِ اعظم، وزیرِ داخلہ اور وزیرِ خزانہ ہوتی ہے۔جس کے تصور سے ہی بہوؤں کے ذہن میں مٹی کے تیل کا ڈبہ اور ماچس رقص کرنے لگتے ہیں۔اب رہے داماد تو ان کے احساسات کا اندازہ اس دلچسپ لطیفے سے لگایا جاسکتا ہے۔

ایک خاتون نے پولس میں اپنے شوہر کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی۔ برسبیل گفتگو تھانے دار صاحب نے دریافت کیا ’’اگر ہماری رسائی آپ کے شوہر تک ہو جائے تو ان کے لئے آپ کا پہلا پیغام کیا ہوگا‘‘

خاتون نے برجستہ جواب دیا’’ آپ ان سے اتنا کہہ دیں کہ میری امی جان یعنی ان کی خوش دامن نے ہمارے گھر آنے کا اپنا ارادہ ملتوی کر دیا ہے‘‘

اگلے وقتوں کے بزرگ بقول شخصے یونانی دیومالاؤں کی طرح کائنات کی کنجیاں اپنے پاس رکھتے تھے۔ان کی رضا اور مرضی کے بغیر ادھر کا تنکا ادھر نہیں کیا جاسکتا تھا۔خصوصاً ان کی مرضی اور پسند کے خلاف گھر میں دلہن لانے کی سزا برخوردار کے کورٹ مارشل پر ختم ہوتی تھی یعنی اسے جائیداد سے عاق کر کے گھر بدر کر دیا جاتا تھا۔ستم ظریفی دیکھئے کہ آج اس معاملے میں خود ان بزرگوں کو گھر بدر کر دیا جاتا ہے۔بہ الفاظ دیگر آج گنگا ایسے ہی الٹی بہتی ہے۔اگلے وقتوں کے برسرگشتہ رسوم وقیود بزرگ خود ہی چراغ لے کر اپنی دانست میں چندے آفتاب چندے ماہتاب سی لڑکی تلاش کرتے تھے۔پہلے اس کا حسب نسب اور جغرافیہ کھنگالا جاتا‘ فال دیکھی جاتی ،استخارہ کیا جاتا اور خاص طور سے خیال رکھا جاتا کہ لڑکی فرعون کی اولاد یا چنگیز خاں کی نسل سے نہ ہو۔اس سے مطمئن ہوتے تو اس کی ایڑی سے لے کر چوٹی تک ناپی اور تولی جاتی۔اس کے بعد موضوعِ گفتگو خالص کاروباری ماحول میں داخل ہوتا یعنی لین دین کے معاملے طے کیے جاتے۔

اب اس زمانے میں دہشت گردی اور جان لیوا مہنگائی کی طرح لڑکوں کا قحط بھی نازل ہو گیا ہے۔دراصل لڑکوں کی مصنوعی قلت پیدا کی گئی ہے۔اگر خوش قسمتی سے پسند کا لڑکا مل بھی جاتا ہے تو لڑکی والوں کو اپنے فریق کے آگے دم مارنے کی مہلت نہیں ملتی۔وہ مہر بلب دھڑکتے دل سے لڑکے والوں کے مطالبات سنتے اور لرزتے رہتے ہیں۔جو ترقی کرتے کرتے جہیز کے نام پر کار اور کھیت باغ تک پہنچ جاتے ہیں۔غریب لڑکی والوں کو پوچھنے کا یہ حق نہیں ہوتا کہ لڑکے کی قومیت کیا ہے؟ اس کا تعلق کس قبیلے سے ہے اور اس کا شجرۂ نسب کس رئیس یا سائیس یا کس دھوبی، کہار کی نسل سے ہے۔ان تمام معاملات کی بیل براہ راست خوش دامن کے دماغ سے پروان چڑھتی اور لڑکی والوں کو جکڑ لیتی ہے۔چنانچہ آج صورت حال یہ ہے کہ ایک بکری بھی جہاں دام دے کر خریدی جاتی ہے وہاں ایک لڑکی بھی بہت سارا جہیز اور جوڑے کی رقم لے کر خریدی جاتی ہے۔گویا لڑکی اس مہذب دنیا میں ایک ’’بکاؤ چیز‘‘ بن کر رہ گئی ہے۔اور اوپر سے سستی بھی ہے۔لگے ہاتھوں یہ بھی سن لیجئے کہ سات گاؤں چھان کر اور سونے چاندی میں تل کر لائی ہوئی یہ دلہن اپنی خوش دامن کے آگے ہر لمحہ لرزتی کانپتی ایک ’’روبوٹ‘‘ کی طرح کام کرنے پر مجبور ہے۔مگر عمر کی ایک مقررہ منزل پر پہنچنے کے بعد اس لرزتی کانپتی دلہن کے جسم میں ایک سخت گیر خرّانٹ خوش دامن کی روح حلول کر جاتی ہے۔وہ بھول جاتی ہے کہ اس نے ایک زمانے تک اپنی خوش دامن کی جوتیاں سیدھی کی ہیں۔یہ سلسلہ نسل در نسل قیامت تک چلتا رہے گا۔

لیکن خوش دامن اپنے داماد کے لئے بھی بلائے جان ہوتی ہے۔جیسا کہ اس مذکورہ لطیفے سے ظاہر ہے۔ہمیں اس کا تجربہ ذاتی طور پر اس وقت ہوا جب ہمارے اگلے وقتوں کے قدامت پسند بزرگوں نے جنہیں ہر دم اپنی ناک کا خیال دامن گیر رہتا تھا‘ شہر میں ہماری ملازمت اور قیام وطعام کے سلسلے میں درپیش مسائل اور اس سے بھی زیادہ ہمارے مستقبل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہمارے لئے جس لڑکی کا انتخاب کیا وہ ہمارے قریب کے گاؤں اور رشتہ داروں میں سے تھی۔غالباً انہوں نے سوچا ہوگا کہ وہ اپنے چار بھائیوں میں سب سے چھوٹی اور اکلوتی بہن ہے،اس ناطے ہم بھی اکلوتے داماد اور سسرال کی آنکھ کا تارا بنے رہیں گے۔

شادی کے چند دن بعد ہم بیگم کے ساتھ سسرال روانہ ہوئے اور تنگ گلیوں سے گزرتے ہوئے ایک پرانی وضع کی حویلی نما مکان پر پہنچے جو حویلی سے زیادہ کسی

جنات کا محل معلوم ہوتی تھی ۔دفعتاً ایک بڑی رگلی سنسناتی ہوئی ہمارے پیروں کے قریب آ گری۔ ہم نے جھک کر دیکھا وہ ایک بے رنگ و روغن بیلن تھا جو عموماً روٹی پاپڑ بیلنے کے لیے ایک مغلوب الغضب بیوی کا ہتھیار بھی ہوتا ہے۔اس بیلن کی اڑان کے ساتھ ہی ایک تیز آواز فضا میں گونجی۔

’’مردوئے کو صبح سے کہہ رہی ہوں گھر میں مٹی کا تیل نہیں ہے۔ذرا دیر سے جاؤ تو راشن کی دکان پر بھیڑ لگ جاتی ہے۔دھکے کھانے اور ادھ موئے ہونے کو ادھر تمھیں ماٹی ملے شیراں.....(اشعار) کی پڑی ہے۔گھر میں داماد آنے والا ہے اسے کیا گیہوں شیراں(اشعار) کھلاؤں۔سر میں عقل ہو تو کوئی بات ہو۔کل دس بار سمجھا کر بھیجا کہ مرچوں پر گیہوں نہ پسوانا مگر آٹا پس کر آیا تو وہی لال لال سا۔میں اکیلی جان یہ سب کہاں تک دیکھوں۔بچے سارا دن کھیت پر رہتے ہیں۔باوا سے گھر کا کام ذرا بھی نہیں ہوتا۔صبح صبح چل دیے لنگی پھٹکارتے،منہ سے دھواں اڑاتے،بیوی بچے جئیں یا مریں۔آدھی رات کو بستر پر اٹھ بیٹھے۔’’بیگم اٹھو ذرا دیکھو تو کیا مارکے(معرکے) کا شعر ہوا ہے۔غضب خدا کا شیر(شعر) نہ ہوا دم کا شیر ہو گیا‘‘۔

ہم نے دروازے میں گردن ڈالی۔سامنے ایک وسیع آنگن تھا۔ایک طرف خُسر صاحب نظر آیے جو ایک چمیلی کے منڈوے تلے کھاٹ ڈالے کاغذ قلم ہاتھ میں لیے دنیا و مافیہا سے بے خبر نیم دراز تھے۔جو اس بیلن کا نشانہ تھے جو ان کی خوش قسمتی سے چوک گیا تھا۔انھوں نے پڑے پڑے ایک سرد آہ لی اور بولے:

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالبؔ دشمن آسماں اپنا

ان سے کچھ فاصلے پر باورچی خانہ تھا جس کی دہلیز سے لگی خوش دامن بیٹھی نظر آئیں۔بھاری بھرکم بدن جس کے چار حصے کیے جائیں تو ایک حصہ خُسر صاحب کا بنتا تھا۔تیوری چڑھی ہوئی،جبڑے کسے ہوئے کلّے میں پان دبا ہوا۔ہم اس مجسم غیض و غضب کی زیارت کر ہی رہے تھے کہ انھوں نے دوسرا تیر چلایا:’’میرے گھر والے ایک ماسٹر کو میرے پلّے باندھنے کو کہاں راضی تھے۔ان کی اماں ہی نے تو ہماری دہلیز پر دھرنا دیا تھا کہ یہاں سے خالی ہاتھ میری میت ہی جایے گی......میں نصیبوں جلی آخر کس کس کا گلہ کروں؟‘‘

یہ سن کر خُسر صاحب تلملا اٹھے۔ایک گہری نظر بیوی پر ڈالی اور بولے:

نہ لڑ ناصح سے غالبؔ کیا ہوا جو اس نے شدت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

ہماری پشت سے بیگم نے سرگوشی کی۔’’بابا ایک اسکول میں پڑھاتے ہیں گھر کی کچھ فکر نہیں۔جب دیکھو غزل بنائی جا رہی ہے۔ہر معاملے میں غالبؔ کے حوالے دیے جا رہے ہیں۔اس لیے اماں جان کُڑھتی ہیں‘‘۔

ہم آگے بڑھے تو گوبر اور سڑی ہوئی گھاس کی ملی جلی سڑاند کا ایک تیز بھبکا ہماری ناک سے ٹکرایا۔ہم نے ایک ہاتھ سے ناک دبائی اور نظر اٹھا کر دیکھا تو آنگن کے سرے پر ایک چھپر تلے چار بھینسوں کو جگالی کرتے پایا۔ہمیں دیکھ کر میاں بیوی ہڑ بڑا کر اٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے پیچ سے پان کی پیک زمین پر ماری،سر پر پلو درست کیا اور مجسم شرافت واخلاق کی تصویر بنی قریب آئیں اور ہمارے سوال کا جواب دے کر سوالات کی بوچھار کر دی۔

’’اچھے تو رہے میاں؟‘‘

’’جی!آپ کی دعا ہے‘‘۔

’’گھر میں تو سب خیریت سے ہیں نا؟‘‘

’’جی ہاں!سب نے آپ کو سلام کہا ہے‘‘۔

پھر ایک لمحہ رک کر کچھ فکر مند سا ہو کر بولیں۔

’’آگ لگے دشمنوں کو۔کیا بیمار پڑ گئے تھے؟‘‘

’’جی نہیں‘‘ ہم نے ہنس کر کہا’’خدا کے فضل سے اچھے ہیں‘‘۔

’’کیا خاک اچھے ہیں...‘‘وہ افسوس بھرے لہجے میں بولیں۔’’ہمارے گاؤں میں دودھ گھی کی ندیاں بہتی ہیں،وہاں تمہارے شہر میں پانی بھی کہاں اصلی ملتا ہوگا؟‘‘

یہ سن کر خُسر صاحب جھوم اٹھے۔کہا’’سبحان اللہ کیا شانِ تکلم ہے۔کیا بامحاورہ زبان اور کیا نازک خیالی ہے‘‘۔پھر بولے’’بیگم پانی تو وہاں ضرور ملتا ہوگا مگر پینے کے لائق کہاں۔کبھی کبھار ندیوں میں آ جاتا ہے یوں سمجھ لو‘‘۔

گر جایے تو پانی ہے رک جایے تو موتی ہے

یہ سن کر خوش دامن جل بھن گئیں اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد بیٹی کو لے کر اندر چلی گئیں تو خُسر صاحب نے ٹھنڈی سانس بھری:’’بھائی!عورت بھی کیا چیز ہے۔ملے نہ ملے پچھتاوے ہی پچھتاوے۔بلاشبہ ہم اپنے دور کے غالبؔ ثانی ہیں۔ایک پھندا ہمارے گلے میں بھی چالیس برسوں سے پڑا ہے۔نہ پھندا ہی ٹوٹتا ہے نہ ہمارا دم نکلتا ہے‘‘۔

قصہ مختصر رات کو دستر خوان بچھایا گیا۔مرغ کا سالن پکا تھا۔ایک ٹانگ ہماری پلیٹ میں بھی ڈالی گئی تو ہوش اڑ گئے۔بلاشبہ ایک چھوٹی بکری کی ران تھی۔ردِ عمل ظاہر کرنا شائستگی کے خلاف تھا۔بیگم ہماری حیرت بھانپ کر بولیں:’’تعجب کی بات نہیں۔یہاں گاؤں میں گھر گھر ریشم کے کیڑوں کی پرورش ہوتی ہے اور ریشم تیار کیا جاتا ہے۔ریشم کے مردہ کیڑے یہاں کی مرغیوں کا من بھاتا کھاجا ہیں۔کیڑے کھا کر وہ اسی طرح پھول جاتی ہیں‘‘۔

ہم مرتے کیا نہ کرتے پل پڑے۔انگلیوں سے ادھیڑا نہ گیا تو دانتوں سے کام لیا۔اس کھینچا تانی میں منہ تھتھر گیا۔بیگم ہنسنے لگیں مگر خوش دامن کا منہ بن گیا کہا’’کیا تمہارے دودھ کے دانت ہیں میاں!ایک مرغ کی ٹانگ نہ کاٹی جا سکی۔بچپن میں تمھیں کیا کھلایا پلایا گیا تھا جو یوں موم کے گڈے لگتے ہو۔مجھے دیکھو اگلے وقتوں کی

کھلائی پلائی تھی جو آج ستر برس کی ہو کر بھی ریل کے کھمبے کی طرح اپنی جگہ ڈٹی ہوئی ہوں۔ گھر میں دودھ گھی بنتا تھا۔ پچھواڑے میں گائے بھینس اور مرغیاں پلتی تھیں۔ پانی کی جگہ دودھ پیتے تھے۔ ایک تم ہو کہ ایک چھینک بھی آیے تو منہ لپیٹے پڑ کر سوں سوں کرنے لگتے ہو۔ پچاس کے بھی نہ ہویے کہ زمین اپنی طرف بلانے لگی۔ آخر کتنا کما لیتے ہو؟"

مرد کی کمائی اور عورت کی عمر کا سوال ہر لحاظ سے بے ہودہ اور غیر مہذب ہے۔ اس کا احساس ان ہندوستانی بدوؤں کو کیا خاک ہوتا۔ ہم کبیدہ خاطر تو ضرور ہویے مگر چونکہ اخلاق کا تقاضا تھا لہٰذا ضبط کیا اور مزج کی ساری تلخی سسرال کی مثالی مروت اور شفقت میں ڈبو کر کہا: "جی! یہی کوئی پانچ ہزار"۔

یہ سن کر ان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ "بس پانچ ہزار؟" اتنا تو ہم اپنی بھینسوں کا دودھ بیچ کر ہر مہینے کما لیتے ہیں"۔ اتنا کہا پھر سنبھل کر بیٹھیں جیسے کوئی اہم بات کہنے جا رہی ہوں: "میاں! تم ذرا اپنے خُسر صاحب کو دیکھو۔ یہ بھی ایک اسکول میں پڑھاتے ہیں۔ سب پان سگریٹ اور دوستوں پر اڑ جاتا ہے، جہاں انھیں ان کی نوکری نے بگاڑا وہاں ان کے شیروں (اشعار) نے ان کی لٹیا ڈبو دی۔ میری مانو تو نوکری چھوڑ و اور یہاں چلے آؤ۔ آٹھ دس بھینسیں پال لینا۔ روزی کی روزی اور گھر میں دودھ کی ندیاں بہنے لگیں گی ہاں"۔

ہمارے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ زبان سے بے اختیار نکلا: "تو کیا ہم بھی گوالے بنیں؟"

تڑ سے بولیں: "وہ میاں! وہاں شہر میں لوگ جوتے بیچتے ہیں تو کوئی انھیں موچی نہیں کہتا ہے، تمھیں گوالا کون کہے گا؟ ہمیں تو بس اپنے پیسوں سے غرض ہے۔ دودھ بیچو یا جوتے ایک ہی بات ہے"۔

جب یہ ٹیڑھی کھیر حلق میں اٹکنے لگی تو ہم نے جان چھڑانے کے لیے کہا: "اچھا ہم سوچیں گے"۔

بیگم نے ماں کا دفاع کرتے ہویے سرگوشیوں کے درمیان ہمارے زخموں پر نمک چھڑکا: "سوچنے سے کچھ نہ ہوگا آپ ذرا خیال کریں آپ بھینس چرائیں گے اور میں دودھ دوہوں گی، چھاچھ بناؤں گی اور آپ بیچیں گے۔ نہ کسی کی نوکری ہوگی نہ کسی کے جوتے گانٹھنا ہوں گے۔ آہاہا مزہ آ جائے گا"

ہم سوچ رہے تھے کہ اس وقت قیامت کیوں نہیں آ چکتی۔ کم از کم زمین ہی پھٹ جاتی اور ہم اس میں سما جاتے۔ دفعتاً خسر صاحب جو دیر سے چپ تھے ٹھنڈی سانس بھر کر ہماری طرف جھکے اور سرگوشی سے بولے "بھائی اللہ تم پر رحم فرمائے، بھینس آدمی کی صحبت میں رہ کر آدمی نہ بنیں مگر بھینسوں کی صحبت میں رہ کر آدمی بھینس ضرور بن جاتا ہے یہ آج ثابت ہو گیا" پھر وہ ہماری دفاع میں بیوی سے بولے، بیگم بھینسوں کی پرورش کے لئے بھینسوں کی سی عقل بھی چاہیے۔ وہ ان بے چارے میں کہاں۔ پھر اس سے پہلے کہ بیوی کی تیوری چڑھ جائے وہ اٹھ گئے۔

ہمارا خیال تھا کہ بات آئی گئی ہو گئی مگر صبح تڑکے ہم چہل قدمی کو باہر نکلے تو خوش دامن چھت پر جھاڑو دے رہی تھیں ہمیں دیکھ کر پوچھا، کہاں چلے؟

ہماری جو شامت آئی تو کہا "ذرا ہوا کھا آئیں گے۔ گاؤں کی ہوا صاف اور صحت کے لئے مفید ہے"۔

خوش ہو کر بولیں "ہوا ہی نہیں سب کچھ اچھا ہوتا ہے، بس ذرا سمجھ چاہیے مگر تمہارے خسر صاحب کی سی نہیں" چلو ذرا یہ گوبر کی بالٹی اٹھا کر وہاں کونے میں رکھ آؤ۔ دوپہر کو مجھے اپلے بنانے ہیں.........ای لو.....تمہارا منھ کیوں لٹک گیا تم کیا جانو صرف اپلوں سے ہمیں چار سو روپے ماہانہ آمدنی ہوتی ہے۔ میاں تم نے وہ کہاوت نہیں سنی۔ "آم کے آم گٹھلیوں کے دام"۔

سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ قدرت ہمیں کس گناہ کی سزا دے رہی ہے۔ عجب عبرت کا مقام تھا۔ جی چاہتا تھا کہ اسی وقت کسی طرف کو نکل جائیں۔ خوش دامن سے دور، ان کی بھینسوں اور ان کے گھی دودھ کی ندیوں سے دور۔ مگر بمشکل ضبط کیا اور اخلاق وفرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک ہاتھ سے ناک دبائی اور دوسرے ہاتھ سے بالٹی اٹھا کر چلے تو پشت سے خوش دامن کی شہد میں گھلی آواز آئی "تمہیں ابھی سے یہ سب کچھ کر لینا چاہیے، کوئلے کی دلالی کرنی ہے تو ہاتھ کے کالے کا کیا ڈر"۔

غرض ہم چہل قدمی سے لوٹے تو ناشتہ تیار تھا۔ دسترخوان پر روٹیوں کے علاوہ مونگ کی دال۔ الگ طشت میں کچی سبزیاں مثلاً گاجر، مولی، شلغم کے ڈھیر تھے۔ ہم صورت حال سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ خوش دامن نے سبزیاں کاٹ کاٹ کر ہماری پلیٹ میں رکھ دیں۔ ہم نے بیگم کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو بجائے ہماری ہمدردی میں ان کے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆

(قطب سرشار کی غزل کا تجزیاتی مطالعہ کا بقیہ)

اور پختہ معنویت میں ڈوبی ان کی تحریروں میں تہذیبی کشمکش، تمدن اور ثقافت کا عروج وزوال، زندگی کی کڑی سچائیاں، سائنسی ارتقاء کے نام پر بربریت ان تمام عوامل اور ترقی سے جو تحریکات جنم لیتی ہیں اس کا تخلیقی اظہار سرشار صاحب کی پہچان ہے۔ برسوں سے ریا میں مقید شعرء کی بھیڑ میں انہوں نے اپنی انفرادیت اور پہچان یوں بنائی کہ اپنا مخصوص ڈکشن اور اسلوب خود ایجاد کیا اور ایک جرأت مندانہ انداز میں اپنے شعری سفر کو جاری رکھا۔ جس میں مذہبی میلان، عقلی رجحان اور معیاری وافادی طرز بیان کو اختیار کرتے ہوئے مبہم اسلوب کے مقابل سادہ اور شگفتہ اسلوب کو روا رکھا اور با معنی اور مفید تحریروں سے دامن ادب کو متمول کیا۔ ہماری دعا ہے کہ ان کا تخلیقی سفر بلا تکان جاری رہے اور ان کی فکر و آگہی سے روشنی ملتی رہے۔

☆☆☆

افسانہ

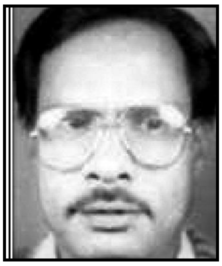

حنیف سیّد
12\34 ,Sui Katra - Agra -282003 ,U.P.
hanifsyed77@yahoo.com

سمندر سراب میں

دیپو جوان تھا، اور مریضِ عشق بھی۔ ایسے عاشقوں کے قول و فعل کا اعتبار ہی کیا...؟ خود بھی اُس کا کہنا تھا، ''بھئی میں نے وعدہ کرنا چھوڑ دیا ہے، کیوں کہ میں اب وعدہ نباہ نہیں پاتا، لوگ مجھ سے کہہ کر چلے جاتے ہیں، ''دیکھا تیرا وعدہ۔'' اُس کی اِس بات پر غصّہ تو بہت آیا، کہ لاؤ کہہ دوں، ''میرا کام واپس کر دو...!'' لیکن کہا اِس لیے نہیں کہ اگر کہہ دیتا، تو بس کہہ دیتا۔ حالاں کہ نقصان ہوتا، کیوں کہ میں چھیالیس سو روپے اُس کو پیشگی دے چکا تھا، اور وہ اتنا پانی دار تھا نہیں کہ وہ میری رقم واپس کر دیتا۔

اُس کا بھائی راجو بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ پہلے پہل میرے تعلقات اُسی سے ہوئے تھے۔ مجھ کو بہت پسند تھا راجو۔ ایک بار میں نے اپنے ایک جگری دوست آفاق کے ساتھ مشترکہ طور پر اسکول کے سرٹی فیکٹ چھپوائے تھے اُس سے۔ جب حساب بنا کر اُس نے دیا، تو میں نے کہا، ''سارا حساب میں چکائے دیتا ہوں، مگر تم آفاق سے بھی حساب کے لیے کہنا، اگر وہ رقم دے دیں تو آدھی رقم مجھے واپس کر دینا۔''

کئی ماہ بعد راجو نے بتایا، ''آفاق نے کچھ نہ دیا۔'' بات ختم ہوگئی۔ اُس کے فوراً بعد میں نے آگرہ کے اپنے ایک عزیز کا سہرا شادی سے کافی دِن پیشتر راجو کو چھپنے کے لیے دیا، وقت پر چھپ جانے کی غرض سے، میں ہر روز اُس کے یہاں جاتا رہا، اور وہ مجھ کو نظر انداز کر کے دوسروں کا کام کرتا رہا۔ دِن گزرتے گئے اور جب وقت پر کام ہو جانے کی اُمید نہ رہی، تو میں نے ماتھے پر بل ڈال کر کام پورا کرنے کے لیے اُس سے کہا، جس پر اُس نے نظریں بگاڑ کر اتنی جلد کام دینے سے انکار کر دیا، میں نے کام واپس مانگ لیا اور اُس نے میری اَڑ دیکھ کر من مانی رقم لے کر اَدھورا کام واپس کر دیا۔ تیسرے روز مجھ کو آگرہ میں سہرا پڑھنا تھا۔ میں بہت پریشان تھا۔ حالاں کہ بعد میں راجو کو اِس کا احساس ہوا، اور اُس نے دیپو کو میرے پاس کام کے لیے بھیجا، پھر وہ خود بھی آیا معافی کے لیے، لیکن میں ہڑ کی لکڑی رہا۔

مجھ کو راجو کی بات پر شک ہوا تو، میں نے آفاق سے دریافت کیا' پتہ چلا جناب اُن سے بھی سرٹی فیکٹ چھپوائی کی رقم اینٹھ چکے ہیں۔

دیپو با اخلاق تھا، جب بھی ملتا پہلے سلام کرتا۔ حالاں کہ کمپیوٹر لائن میں راجو کو وہی لایا تھا۔ لیکن راجو نے جب اُس کو کمپیوٹر ٹیبل سے اُتار دیا، تو وہ پریشان ہو کر اِدھر اُدھر نوکری تلاش کرنے لگا۔ کمپیوٹر لگانے کے لیے میرے پیچھے بھی پڑا رہا، مجھ کو بہت ہم دردی تھی اُس سے، دِل چاہتا تھا کہ کمپیوٹر لگوا دوں، لیکن پھر وہی بات، کہ عاشق مزاج تھا وہ۔ کس وقت بدل جائے، کہا نہیں جا سکتا تھا۔

ایک روز اُس نے مجھ سے کہا، ''کمپیوٹر لگا رہا ہوں، زیادہ نہیں صرف پانچ ہزار کی مدد لوں گا آپ سے۔'' میں نے فوراً وعدہ کر لیا۔ اُس نے کمپیوٹر لگا لیا، مجھے بہت خوشی ہوئی۔ وہ صبح شام میرے یہاں آتا، کام نہ ملنے کا افسوس کرتا۔ میں نے اپنا افسانوی مجموعہ دوسرے کو کمپوزنگ کے لیے دے رکھا تھا۔ آٹھ افسانے فیڈ بھی ہو چکے تھے۔ لیکن میں نے وہاں سے کام واپس لے کر اُس کو دے دیا۔ جب اُس کا کام دیکھنے اُس کے ہاں گیا تو بہت خاطر تواضع کی اُس نے۔ حلوا، چائے، طرح طرح کے بسکٹ نمکیں، نہ جانے کیا کیا....؟ اور پروف بھی میری توقّع سے کہیں بہتر بنایا۔ میرے مطمئن ہونے پر ایک ہی رات میں میرا مجموعہ فیڈ کر کے پروف ریڈنگ کے لیے میرے حوالے کر دیا، اور آگے کام کے لیے میرے گھر کے چکّر لگانے لگا۔ میں نے ناول بھی اُس کے سپرد کر دیا۔ اُس نے اُس کو بھی دو تین روز میں پورا کرنے کا وعدہ کیا۔

میں نے اپنے مجموعے میں محترم رشید حسن کی کتاب ''املا'' کے مطابق املا لکھا تھا۔ اُس نے اُس املا کا خیال نہ رکھا، جس کی وجہ سے پروف ریڈنگ میں مجھ کو کافی وقت لگا، اسی درمیاں اُس نے اشد ضرورت کے تحت میرے کیے وعدے کے مطابق پانچ ہزار روپے کا مطالبہ کیا، اور میں بڑی کوشش کے باوجود صرف چھیالیس سو روپے ہی دے سکا۔ اُس کے ساتھ ہی ڈسٹرکٹ ریلی کے سرٹی فیکٹ بھی چھپنے کے لیے دے دیے، مگر اُس کام کے لیے کئی چکّر لگانے پڑے۔ حالاں کہ اُس نے اِس کا اعتراف کیا، ''اگر بار بار چکّر نہ لگاتے تو شاید یہ کام وقت پر نہ ہو پاتا، کیوں کہ مجھ کو اور بھی بہت سے کام تھے۔''

چوں کہ کام اشد ضروری تھا، لہٰذا وقت پر دے دیا، اور ایسے وقت پر دیا کہ اگر پانچ منٹ اور لیٹ دیتا تو بچّوں کے انعامات تو بٹ جاتے لیکن بچّے سرٹی فیکٹ سے محروم رہتے۔

اپنے مجموعے کی پروف ریڈنگ لے کر پہنچا تو اُس نے بتایا کہ وائرس آجانے کے سبب سارا کام واش ہو گیا، جس کا مجھ کو بہت افسوس ہوا، پھر میں نے عہد کیا کہ خود بیٹھ کر فیڈ کراؤں گا، جس سے املا میں غلطیوں کے امکانات کم ہوں، اُس نے بھی اِس عمل کو مناسب سمجھا۔

پلان کے تحت میں جب اُس کے پاس جاتا تو وہ دوسروں کے کاموں میں منہمک ملتا۔ میرے پاس وقت کی بہت قلّت تھی۔ میں نے اُس کو کئی بار سمجھایا ''میری تینوں بچیاں بیمار ہیں، جن کو وقت پر دوا مجھ کو ہی کھلانا پڑتی ہے۔ میرے یہاں آٹھ بجے گیٹ میں تالا لگ جاتا ہے۔ میں بھی بیمار ہوں۔'' وغیرہ وغیرہ۔

میں اُس کے بتائے ہوئے وقت کے مطابق پہنچتا تو بس وہ یہی کہتا، ''ارے بیٹھو تو۔'' میں گھنٹوں اُس کے پاس بیٹھا رہتا، اور وہ یکے بعد دیگرے کاموں میں لگا رہتا، فرصت پاتا تو اپنی محبوبہ کو خط لکھنے میں لگ جاتا، اور اگر میں اپنی اڑ لیے بیٹھا رہتا کہ آج میں اپنا کام لے کر ہی جاؤں گا، تو وہ اپنی محبوبہ سے ملنے کے لیے چلا جاتا، اور میں جل بھن کر اُٹھ آتا، میں اکثر سوچتا، ''اِس شخص میں رقم لینے کے بعد کتنا فرق آ گیا ہے۔ پہلے صبح شام گھر کے چکّر لگاتا تھا، بار بار فون کرتا تھا، اُس کے یہاں جاتا، تو بڑی خاطر تواضع کرتا تھا، اب چائے کو بھی نہیں پوچھتا، اور نہ اُس کو میری پریشانیوں کا احساس ہوتا۔ جب جاؤ تو بس یہی، ''ارے بیٹھو تو۔'' اُس سے مجھ کو اس قدر الرجی ہو گئی، کہ دِل چاہتا کہ کہہ دوں، ''کام واپس کر دو، لیکن پھر وہی بات، کہ اگر کہہ دیا، تو پھر کہہ دیا۔

''اسکول کا وہ حساب نہیں ہو پایا کیا...؟'' ایک روز کمپیوٹر میں کچھ فیڈ کرتے ہوئے اُس نے پوچھا۔

''ہاں....! ہو گیا، پر وہ رقم میں نے خرچ کر لی۔'' میں نے جل بھُن کر جواب دیا۔

''ارے بھئی، مجھے بہت ضرورت ہے۔'' اُس نے برجستہ کہا۔

''کیا کرتے ہو اتنی رقم...؟''

''پانچ سو کرایہ دیتا ہوں اِس کمرے کا، اور پندرہ سو کمپیوٹر کی قسط، تین ہزار ماں کو، سات ہزار کی آر، ڈی، چل رہی ہے محبوبہ کے نام، اُس کے نام بی، سی، بھی چل رہی ہے پانچ ہزار روپے ہر ماہ کی۔ پانچ پان اور آدھا کلو مٹھائی بھیجتا ہوں ہر روز اُس کے لیے چاچا سوئٹ ہاؤس کی۔ پچیس ہزار کا سیٹ خریدا ہے سونے کا اُس کے لیے۔ دو ہزار نقد بھیجتا ہوں اُس کی جیب خرچ کے لیے ہر ماہ۔ پندرہ سو بائک کے لیے جمع کرتا ہوں، جہیز کے لیے۔

''جہیز کے لیے...! کس کے جہیز کے لیے...؟''

''اپنے، اور کس کے...؟ اُدھر سے لوں گا جہیز میں، اُن لوگوں کی اتنی بساط کہاں کہ وہ دیں۔ بائک نہ ملے گی تو میری بدنامی ہوگی کہ سسرال سے بائک تک نہ ملی۔''

یہ سب سُن کر میں سوچنے لگا کہ کتنا خود غرض ہے یہ شخص۔ آخر اس کو میری رقم کا بھی تو سوچنا چاہیے، حساس لوگ قرض نبٹانے کے لیے اپنی بی، سیاں، آر، ڈیاں توڑ دیتے ہیں، اپنے مکانات، جایداد فروخت کر دیتے ہیں، اپنا قرض نبٹاتے ہیں، ایک یہ صاحب ہیں، کہ قرض لے کر بی سیاں چلا رہے ہیں، اپنی محبوبہ کو مٹھائیاں بھیج رہے ہیں، اپنی عزّت بنانے کے لیے سسرال کی طرف سے جہیز جٹا رہے ہیں، رقم واپس نہ کرے تو نہ سہی، میرا کام تو کرے۔ میرے بار بار ٹھنڈ میں دوڑنے کا احساس تو کرے۔ یہ بھی احساس نہیں کہ یہ بوڑھا دیوار پھاند کر گھر جاتا ہے، نہ جانے کتنی بار کام کے لیے خود بلایا اُس نے، اور جب پہنچا تو بس وہی، ''ارے بیٹھیے تو...!''

''ارے بیٹھیے تو...! ارے بیٹھیے تو...!'' سنتے سنتے سات ماہ بیت گئے، پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا، کئی بار غصہ آیا، کئی ہفتے نہ گیا، اور جب گیا تو بس وہی، ''ارے بیٹھیے تو...!''

''ارے بیٹھیے تو...! ارے بیٹھیے تو...! سنتے سنتے تھک گیا، حد بھی ہوتی ہے کسی کام کی، اب میں نہیں آؤں گا، آپ وعدہ کریں کہ کب تک پورا کر دیں گے...؟'' میں نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

''بھئی میں نے وعدہ کرنا چھوڑ دیا ہے کیوں کہ میں اب وعدہ نباہ نہیں پاتا، لوگ مجھ سے کہہ کر چلے جاتے ہیں، دیکھا تیرا وعدہ'' اُس نے اپنا وہی پرانا جملہ دہرا دیا، اور میں خود کو کوس پیٹ کر چلا آیا۔

میں اکثر سوچتا، ''اُس کی کیا غلطی...؟ غلطی تو میری ہے کہ میں نے بھروسا کیا اُس پر، پر اُس کو پہچانا نہیں۔ آ گیا اُس کی میٹھی میٹھی باتوں میں، آج کے دور میں اعتبار کس کا...؟ دھوکا کھایا، جیسا کیا، ویسا بھرا، لگا چکّر صبح شام، بھُگت اپنی غلطی کی سزا...!''

''ہاں بھئی کتنا کام ہوا...؟'' کئی ماہ گزرنے کے بعد پھر پہنچا۔

''ارے بیٹھیے تو...!''

''تمھارے جیسا مکّار، جھوٹا، دھوکے باز، اور بے ایمان نہیں ہو سکتا دنیا میں۔''

''ارے بیٹھیے تو...!''

''ارے بیٹھیے تو...! ارے بیٹھیے تو...! ارے بیٹھیے تو...!'' بس...! اِس کے علاوہ اور ہے ہی کیا تمھارے پاس...؟''

''ارے بیٹھیے تو...!''

میرا کام واپس کر دو، اور رقم بھی...! مجھ کو نہیں چاہیے کام۔''

''ارے بیٹھیے تو...!''

''بس میں نے کہہ دیا تو کہہ دیا۔

(بقیہ صفحہ ۳۹ پر)

افسانہ

ڈاکٹر کلب حسن حزیںؔ
محلّہ سکراول۔ٹانڈہ۔امبیڈکر نگر(یوپی)
موبائل۔9838084149

آسودگی کا چراغ

مدیحہ،وصیہ اور رفیعہ سعادت حسین کی تینوں بیٹیاں تھیں اور زوجہ تھیں سکینہ بیگم۔تینوں لڑکیاں زیرِ تعلیم تھیں۔سعادت حسین ڈپٹی نورالحسن کے اردلی تھے لیکن ان کے دل میں اپنی لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کا حوصلہ تھا اور چاہتے تھے کہ مدیحہ جج بنے۔ان کی خواہش کے مطابق مدیحہ نے ایل ایل بی میں داخلہ لیا۔وہ بڑی حوصلہ مند لڑکی تھی۔دل لگا کر پڑھنے لگی۔سعادت حسین کی تنخواہ بس اتنی تھی کہ کسی طرح زندگی کی گاڑی چل رہی تھی۔اس مع،ولی تنخواہ سے کچھ پس انداز ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔

اگلے دن کیا ہونے والا ہے کسی کو کیا پتہ۔مدیحہ کے گھر وقت نے ایسا پینترا بدلا کہ گلشنِ حیات خزاں رسیدہ ہوگیا۔خوشی کا گھر ماتم کدہ بن گیا۔ایک صبح جب سعادت حسین نماز پڑھنے کی نیت سے اٹھے تو اچانک ان کے سینے میں شدید درد ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے بے حس وحرکت ہوگئے۔ڈاکٹر کو بلایا گیا تو ڈاکٹر نے کہا بہت دیر ہوچکی۔سعادت حسین صاحب دارالفنا سے دارالبقا جاچکے ہیں۔ساری ذمہ داری مدیحہ پر آگئی۔رشتہ داروں نے اس بے سہارا خانوادے کی طرف منہ موڑ کر بھی نہیں دیکھا۔مدیحہ کی ماں پچھاڑیں کھا رہی تھیں اور اپنے نصیب کو کوس رہی تھیں۔انھیں اس بات کا دکھ تھا کہ کوئی ہنر نہیں سیکھا جو اس آڑے وقت میں کام آتا۔سعادت حسن صاحب کی کل متاعِ حیات یہی تینوں بیٹیاں تھیں۔زر و مال سے ان کا گھر خالی تھا۔مدیحہ کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔اس نے بہت ہاتھ پیر مارا مگر کوئی راہِ نجات نہیں ملی۔پھر بھی وہ مایوس نہیں ہوئی۔وہ ڈپٹی نورالحسن کے دفتر گئی جہاں اس کے والد ملازم تھے۔ڈپٹی صاحب سے ملاقات کے لیے ایک خط چپراسی کے ہاتھ دیا لیکن چپراسی نے اسے ڈپٹی صاحب سے ملنے نہیں دیا۔وہ بے نیل ومرام لوٹ آئی۔کریم بھائی لنگی والے نے اپنے لڑکوں کو پڑھانے کے لیے اسے ٹیوٹر کی حیثیت سے رکھ لیا۔پیشگی دو ہزار روپے دیے تا کہ اس کے گھر کا کام چل سکے۔اس کے بعد وہ کئی گھروں میں ٹیوشن کرنے لگی۔گھر میں آسودگی کا چراغ پھر سے روشن ہوگیا۔بہنیں سب تعلیم حاصل کرنے لگیں۔ماں کی طبیعت بھی آہستہ آہستہ بحال ہوتی گئی۔

اس کا خط چپراسی نے ڈپٹی صاحب تک نہیں پہنچایا تھا لیکن پندرہ دنوں بعد یہ خط جب ڈپٹی صاحب کو ملا تو انھوں نے چپراسی کو بہت ڈانٹا۔وہ سعادت حسین کے جنازے میں بھی شریک نہیں ہوسکے تھے۔خط ملتے ہی ان کی کار مدیحہ کے گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔گھر پہنچتے تو مدیحہ کو بہت سہارا دیا اور کہا کل سے تم کلرک کی حیثیت سے میرے آفس میں کام کروگی۔خزاں رسیدہ چمن میں بہار آگئی۔اس نے کریم بھائی لنگی والے کے یہاں کام کرنا نہیں چھوڑا۔نائٹ کالج میں ایل ایل بی کرنے جانے لگی۔وصیہ اور رفیعہ بھی کالج جانے لگیں۔

دن گزرتے دیر نہیں لگتی۔مدیحہ نے وکالت پاس کرنے کے بعد جج کا امتحان دیا۔وہ پہلی پوزیشن میں کامیاب ہوئی۔نورالحسن نے اس کے گھر جاکر مبارک باد دی۔لیکن اہلِ خانہ کا دل جل جل کے کباب ہوگیا۔بعد از مرگ ہی سہی سعادت حسین کی تمنا بر آئی۔جب بلدوانی میں جج کی حیثیت سے پوسٹنگ ہوئی تو کالج کی لڑکیوں نے بہت بڑا جشن کیا۔تجدیز ہرا جو میونسپل بورڈ کی چیرپرسن تھیں انھوں نے بہت سے تحائف دیے اور بہت بہت مبارکباد دیا۔ابھی چھ مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ اس کے پاس شادی کے لئے اہلِ دانش کے دسیوں پیغامات آئے لیکن اس نے منع کر دیا۔جب نورالحسن شادی کا پیغام لائے تو وہ رونے لگی اس کی سسکیاں رک نہیں رہی تھیں۔جب کچھ بحال ہوئی تو کہا آپ پیغام اماں کے پاس لے جایئے ورنہ انہیں ملال ہوگا۔میں کل چھٹی لے کر وطن جاؤں گی۔آپ اپنی شریکِ حیات کے ذریعہ پیغام بھیجیں۔آپ تو میرے کرم فرما ہیں۔آپ کے احسانات تاحیات نہ بھول سکوں گی۔دوسرے دن ڈپٹی صاحب کی اہلیہ شہر کی مقتدر عورتوں کے ساتھ مدیحہ کے گھر تشریف لائیں۔لڑکیوں نے ان کی شان وشوکت کے لحاظ سے بہترین انتظام کیا۔سب خوش ہوکر گئیں۔شادی کی تاریخ پندرہ نومبر کو طے پائی۔ایک مہینہ کے وقفے میں مدیحہ نے اپنا گھر ٹھیک ٹھاک کرلیا۔جب منگنی کی مٹھائی بٹی تو ایک قیامت برپا ہوگئی۔مدیحہ کے چچا برافروختہ تھے کہنے لگے ہمارے خاندان کی کوئی لڑکی انصاریوں میں نہیں جانے دیں گے اس طرح چچا نے بہت شور مچایا۔یہ خبر مدیحہ تک پہنچی تو اس نے کہا ”میں انسان ہوں انسانیت میرا مذہب ہے“ اس میں کوئی اعلیٰ نسب اور ادنیٰ نسب نہیں ہوتا۔جب ہمارے ادبار کے دن تھے تب تو کسی نے ہماری خبر گیری نہیں کی۔میں دردر کی ٹھوکریں کھا رہی تھی۔میری ماں بہنیں کئی کئی دن تک بغیر کھائے پئے سوگئیں۔تب اہلِ نسب کہاں تھے۔

میرے بڑے باپ نے ہم لوگوں کو اتنا حقیر سمجھا کہ میرے باپ کے مرنے کے بعد ایک دن بھی پرسہ دینے نہیں آئے۔اوپر سے ان کا لڑکا میرے پیچھے پڑ گیا اگر میں محتاط نہ ہوتی تو میری عزت تار تار کر دیتا۔آپ کیسے اعلیٰ نسب کے لوگ ہیں جن کی اولادیں ذلیل النسب معلوم ہوتی ہیں۔چچا کو خبر دے دو کہ میری ادی نورالحسن کے لڑکے نوید سے ہوگی۔اگر ان میں جرأت ہو تو شادی روک کر دکھائیں۔میرے باپ کے مرنے کے بعد جس قدر بے اعتنائی سے ملے تھے ایسے کوئی غیر بھی نہیں ملتا وہ تو بڑے مردم شناس تھے وہ نوید سے مل کر دیکھیں۔چچا کی جوہر شناسی اور اقدار پرستی کا جب پول کھل گیا تو اپنا سا منھ لے کر رہ گئے۔پندرہ نومبر کو پوری شان وشوکت سے مدیحہ کی شادی ہوگئی۔خاندان کے لوگ منھ تکتے رہ گئے وصیہ اور رفیعہ نے بھی پڑھائی میں رکارڈ قائم کیا۔وصیہ نے چارٹرڈ اکاؤنٹس میں ٹاپ کیا رفیعہ نے بی ٹیک میں پورے صوبے میں ٹاپ کیا۔

سعادت حسین کا مکان عالیشان بنگلے میں تبدیل ہوگیا۔مدیحہ کی شاہراہِ حیات گلوں سے بھر گئی۔اب گھر والوں کی آنکھیں کھلیں سب کو اپنے برتاؤ پر تاسف تھا۔مدیحہ ترقی کر کے ہائی کورٹ کی جج ہوگئی۔

☆☆☆

(سمندر سراب میں کا بقیہ)

"ارے بیٹھیے تو...!"

میرے پاس وقت نہیں۔"

"ارے بیٹھیے تو...!"

"سُن لیجیے...! اپنی غرض پر، رقم لینے سے پیشتر تو صبح شام چکّر لگاتے تھے۔فون کرتے تھے، تمھارے پاس کام نہیں تھا، جب میں آتا تھا، تب جم کر خاطر تواضع کرتے تھے، رقم لینے کے بعد بیل گاڑی کشتی پر آ گئی۔تم میرے وہاں جاتے ہو کبھی...؟ فون کرتے ہو اب.....؟ پوچھنے آؤ تو، ارے بیٹھیے تو...!، ارے بیٹھیے تو...! کی رٹ۔"

"ارے بیٹھیے تو...!"

"تم تو اپنے بھائی سے بھی بڑھ کر نکلے، اب میں دو روز بعد آؤں گا، حساب کے لیے۔اپنا حساب کاٹ کر میرا کام واپس کر دینا، سمجھے...؟"

"ارے بیٹھیے تو...!"

"کیا بیٹھیے تو...!، بیٹھیے تو...! کی رٹ لگا رکھّی ہے میں نہیں بیٹھتا۔" میرا چیخنا اُس کو برا لگا، تو اُس نے بھی ناراض ہو کر میرا کام واپس کر دیا، اور دوسرے روز میری رقم واپس کرنے کا وعدہ کر کے مجھ کو چلتا کر دیا۔

ایک دِن، دو دِن۔پھر ایک ماہ، دو ماہ۔پورے چھ ماہ گزر گئے، رقم اب نہ تب۔پھر مجھ کو اُس کے سب سے بڑے بھائی سے ملنا پڑا۔بے چارے بڑے سلیقے سے پیش آئے۔آخر کرتے کیا وہ..؟ ہاں اُنھوں نے مجھ کو اتنا ضرور بتایا، جھگڑے کے فوراً بعد ابو کا کولھا ٹوٹ گیا، ابو اور اُس کو تم سے بدسلوکی کی فوراً سزا مل گئی، جس کے سبب دیپو بہت پریشان رہا۔" جس کا مجھ کو بھی افسوس ہوا۔اُس کے بعد بھی کئی ماہ گزر گئے۔رقم پھر بھی نہ ملی۔

حالات اچھے نہ دکھے تو میں نے رسوخ استعمال کیے۔اُس کے بعد بھی دیپو کے کئی وعدے گزر گئے۔شکنجہ زیادہ کسا تو بے چارے اُس کے ابو بڑے سلیقے سے پوری رقم واپس کر گئے۔

"میں تمھاری بیوی نہیں کیا...؟" کافی دنوں بعد جب میں باہر سے گھر لوٹا تو میری بیوی بہت ناراض۔"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں....! بات ہے کیا مگر...؟"

"اگر بیوی سمجھتے تو کیا چھپاتے اتنی بڑی بات...؟"

"آخر چھپایا کیا میں نے آپ سے...؟"

"ناول اور افسانوی مجموعے کا اتنا بڑا اجرا کل چھبیس جنوری کو گاندھی بھون میں، اور میں بے خبر...!" میں نے لپک کر کارڈ اُس کے ہاتھ سے لے لیا اور یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ منجانب میں دیپو کا نام تھا۔

☆☆☆☆☆

غلام سرور ہاشمی
BasdilaTolaMurgiyan
Gopalganj-841428(Bihar)

آئینہ ہر غزل کو بنا کر میں جاؤں گا
یوں فکر و فن کا دیپ جلا کر میں جاؤں گا
بانگِ درا کا سوز عطا کر کے شعر کو
جو سو رہے ہیں ان کو جگا کر میں جاؤں گا
پیغام دوستی کا سناتا رہوں گا میں
ہر نقش دشمنی کا مٹا کر میں جاؤں گا
اپنی زباں کی لاج رکھوں گا جہان میں
اک اک سے اپنا وعدہ نبھا کر میں جاؤں گا
کل کا بھروسا کچھ نہیں فانی جہان میں
یہ راز ہر بشر کو بتا کر میں جاؤں گا
دشمن کو بھی لگاؤں گا سرور گلے سے میں
اور دوستوں کا ساتھ نبھا کر میں جاؤں گا

افسانہ

لگاو

ترنم جمال، کلکتہ
C\O:S.M.ParvezKarim
$thFloor.26ZakariaStreet
Kolkata-700073(W,B)

میں نے ابھی آٹو سے چاندنی بازار اتر کر نیو مارکیٹ جانے والے راستے پر قدم بڑھایا ہی تھا کہ پیچھے سے کسی نے میرا آنچل کھینچ لیا۔ پلٹ کر دیکھا تو ایک چھ سات سال کی بچی تھی۔ پھٹے پرانے کپڑے، بال بکھرے ہوئے، وہ بولی ”آنٹی صبح سے بھوکی ہوں، کھانا کھلا دو، میری ماں نے بھی کچھ نہیں کھایا ہے۔“

”لیکن تمہاری ماں کہاں ہے؟۔“میں نے اطراف میں نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

”وہ سڑک کی دوسری طرف بیمار پڑی ہے۔“

میں نے پرس سے پچاس کا نوٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔اپنے اور ماں کے لئے کھانا لے لینا۔“اور میں جلدی سے آگے بڑھ گئی۔ مجھے پہلے ہی کافی دیر ہوگئی تھی۔ٹریزر لینڈ سے بچوں کے لئے اسکول یونیفارم لینا تھا۔گھر میں اپنے تینوں بچوں کو چھوڑ کر آئی تھی۔ بڑے دونوں بھائی بہن کو کہہ دیا تھا کہ چھوٹی بہن کا خیال رکھے۔ رحمٰن اسٹور پہنچ کر میں نے اسکول یونیفارم لئے پھر اپنی چھوٹی بیٹی کے لئے خوبصورت فراک کی تلاش میں لگ گئی کیونکہ میرا جب بھی نیو مارکیٹ آنا ہوتا میں اس کے لئے فراک ضرور خریدتی۔ پھر میں نے ایک بہت خوبصورت ریڈ کلر کا نیٹ ورک فراک لے لیا۔

مجھے معلوم تھا وہ کتنا خوش ہوگی۔فرمائش کچھ نہیں کرتی۔ بھائی بہن کی چیزوں کو خاموشی سے دیکھتی ہے۔لیکن جیسے ہی شاپر سے اس کے لئے کچھ نکلتا ہے، ہزاروں خوشی کے جگمگاتے رنگ اس کی پیاری سی من موہنی صورت پر آجاتی ہے۔اور اپنی طرف اشارہ کرتی ہوئی کہتی ہے۔”یہ میرا ہے۔ یہ میرا ہے۔ ممی میرے لئے لائی ہیں۔“اس کے پاپا بھی اس کی مسکراہٹ اور اس کے انداز پر فدا ہیں۔ یوں تو وہ انہیں ابا کہتی ہے لیکن پاپا اپنے نازک لبوں سے اس انداز سے کہتی ہے مانو گلاب کی پنکھڑیوں سے پھول جھڑ رہے ہوں۔ وہ بہت خوش ہوتی ہے کہ میں نے پاپا کہا کیونکہ بھائی بہن بھی پاپا کہتے ہیں۔

اپنے خیالوں میں گھر پہنچتی ہوں۔ دونوں بچے اسکول کا ہوم ورک کر رہے تھے۔ میری چھوٹی بیٹی نیچے فرش پر بیٹھی کھلونوں سے کھیل رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی خوشی سے چیخنے لگی اور مجھ سے آکر لپٹ گئی۔ جیسے کتنے دنوں کے بعد مل رہی ہو۔اگر میں کبھی بھی باہر کچھ دیر کے لئے چلی جاؤں تو یوں اداس ہوجاتی ہے اور آنے کے بعد اس طرح ملتی ہے جیسے کب کی بچھڑی ہوئی ہو ۔

میں نے بھی گود اٹھا کر اسے لپٹا کر پیار کیا اور جتنے بھی لفظ پیار کے میری زبان سے نکلے، میں نے کہے۔ میری گڑیا، میری بیٹی، میری دنیا، میری دھڑکن، میری سب کچھ اور شاپر سے نکال کر میں نے ریڈ فراک اسے پہنا دیا اور وہ اپنی بڑی امی کے روم میں چلی گئی کیونکہ اسے سب سے پہلے ڈریسنگ ٹیبل میں آئینہ دیکھنا تھا۔گھوم گھوم کر دائیں بائیں فراک پھیلا کر۔

اسے جب بالکل اطمینان ہوجاتا کہ وہ بہت اچھی لگ رہی ہے فراک اچھا ہے تو خوشی سے آئینے میں منہ سٹا کر خود کو پیار کرتی۔ چچازاد بہن سے موبائل سے تصویر کھینچواتی۔ پھر اپنے کمرے میں آجاتی اور میرے پیچھے پیچھے پورے گھر میں گھومتی، ایک سکینڈ کے لئے بھی مجھے تنہا نہیں چھوڑتی۔ میں تھکن سے چور جب بستر پر لیٹتی تب وہ اپنے نازک ہاتھوں سے میرا ہاتھ دباتی، سر دباتی، مجھ سے لپٹ کر میرا منہ چومتی اور میں اسے پیار سے سرزنش کرتی، کیا بیٹی تم میرا منہ گندہ کردیتی ہو۔ پھر وہ میرے دوپٹہ سے میرا منہ صاف کرتی اور یوں میں اپنی ساری تھکن بھول جاتی۔اور اپنے دونوں بڑے بچوں سے کہتی۔ دیکھ لو، بڑی ہوکر یہ میری زیادہ خدمت کرے گی۔ بھائی ہنس کر کہتا۔”امی یہ دکھاوا کرتی ہے۔سب دکھاوا ہے۔“اور میں مسکرا دیتی بیٹے کی سادگی پر۔ میری بچی جسے ”دکھاوا“لفظ کا مفہوم نہیں معلوم وہ کیا دکھاوا کرے گی۔

اس کی زندگی میں ایک اور فرد کی بہت اہمیت ہے، جس کا ذکر نہیں کروں تو شاید اس کہانی کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا۔ یہ مخلص ہستی ہے۔ میری آپا کی بیٹی۔ میں جب بھی اپنے والدین کے یہاں جاتی ہوں بچوں کے اسکول کی چھٹیوں میں، تو وہ وہاں ہوتی ہے۔اور میں وہاں اپنی چھوٹی بیٹی کی ذمہ داریوں سے بالکل آزاد ہوجاتی ہوں۔ یہ ذمہ داری بحسن و خوبی وہ اٹھا لیتی ہے۔اسے ذرا بھی چوٹ تکلیف نہیں پہنچنے دیتی۔ بالکل پھولوں کی طرح رکھتی ہے۔کہتی ہے گھر میں جتنے بچے بھی آجائیں ”میری بانو کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔“

میری بیٹی کے لئے اس کی محبت کا یہ عالم ہے کہ ایک دفعہ شرارت کے طور پر ایک ویڈیو اسے بھیج دیا گیا۔ جس میں میری بیٹی بہت رو رہی تھی اور اشارے سے کھانا مانگ رہی تھی۔ جسے دیکھتے ہی اس نے انتہائی غصے میں ہمیں فون کیا او زار وقطار رونے لگی۔”آپ لوگ کیوں میری بانو کو رُلا رہی ہیں۔اسے کھانے کے لئے کیوں نہیں دے رہی ہیں۔“اور ہم سبھی کو اس کی نادانی پر خوب ہنسی آئی تھی۔

لیکن ہم میں سے شاید کسی کو خبر نہیں تھی کہ یہ ہنسی، یہ خوشی بہت جلد ہمیشہ کے لئے روٹھ جائے گی۔خوشیاں جس کی ذات سے تھیں ہم سے یوں بچھڑ جائیں گی۔

آج بھی میں جب نیو مارکیٹ جاتی ہوں تو حسرت بھری نگاہوں سے شاپ میں ٹنگی ہوئی خوبصورت فراکوں کو دیکھتی ہوں۔ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اس کے پاپا نیند میں چیختے ہیں۔ بیٹی کا نام لے کر روتے ہیں۔انہیں کیسے سمجھاؤں، بیٹی وہاں چلی گئی ہے جہاں رونے اور چیخنے سے اگر واپس آجاتی تو شاید میں ان سے زیادہ چیختی کیونکہ وہ میری رگِ جاں کے قریب تھی۔ حالانکہ دو بچے اور بھی ہیں لیکن انسیت اس سے تھی۔ وجہ یہ بھی ہے کہ جسمانی طور پر وہ معذور تھی۔☆☆☆

غـــــزلیـــــات

اطہر نیر

Barhulia.KansiSlmri.Darbhanga
Bihar-847106

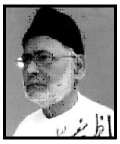

سامنے بیٹھی وہ جو عورت ہے
میری ماں جیسی خوبصورت ہے
دیکھ کر ڈر گیا تھا خوابوں میں
شکر ہے گھر مرا سلامت ہے
دو گھڑی بھی سکوں نہیں بخشا
تجھ سے میری یہی شکایت ہے
دیکھ کر نفرتوں کے یہ منظر
یوں لگا آگئی قیامت ہے
اس کی یادوں کے لمس سے نیّرؔ
میرے اشعار میں حرارت ہے

منیر سیفی

Samanpura.MalikLane
B.V.C.Patna-800014(Bihar)

روٹی، کپڑا اور مکان
مانگ رہا ہے ہندوستان
کہتے ہیں غدار ہمیں
جن کی نہیں کوئی پہچان
من کی باتیں کیا سننا
من تو ہے خود ہی نادان
رنگ برنگ ان پھولوں سے
جگ میں ہے بھارت کی شان
دیکھ رہا ہوں میں سیفیؔ
اک کپ چائے میں طوفان

بدؔر محمدی

ChandpurFateh
P.O:Baryarpur
Dist:Vaishali(Bihar)

آدھی غزل

مانوس اس طرح ہوئے بے چہرگی سے ہم
"ملتے کسی سے کیسے بھلا خوش دلی سے ہم"
آتی رہی ہے موت مسلسل ہمارے پاس
"یوں بھی جہاد کرتے رہے زندگی سے ہم"
لانے میں جوئے شیر ہوئے محو اس طرح
"کرنیں نچوڑتے رہے ہیں تیرگی سے ہم"
شاید بدل نہ جائے کہیں دشمنی میں یہ
"اب خوف کھا رہے ہیں تری دوستی سے ہم"
سایہ بھی دور دور ترا مجھ سے جا چکا
"اب کیا امید کرتے تری ہمدمی سے ہم"
در بند گھر کے اور ہوئیں کھڑکیاں بھی بند
"مجبور اس طرح بھی رہے چاندنی سے ہم"

پھول محمد نعمت رضوی

FaiziKitabGhar.Mashool.
ChowkSitamarhi-843301(Bihar)

جس کو دی تھی میں نے عزت اور اڑھائی شال تک
چھین لی ہے آج اس نے میری روٹی دال تک
جاہل مطلق ہے جو اور علم سے عاری بھی ہے
اس کو دعویٰ ہے کہ کھولے گا وہ سب کی کھال تک
جو ادارے کی ترقی کا نہیں رکھتے خیال
ان کی ساری گفتگو رہتی ہے قیل و قال تک
روزِ محشر ہوگا جب اپنے خدا کا سامنا
پوچھے جائیں گے وہاں لوگوں کے سب اعمال تک
رنگ لائیں خدمتیں سب گاؤں والوں کی یہاں
مدرسوں کی کی تھیں دل سے سب نے سالوں سال تک
مشکلوں میں جس کی نعمتؔ میں نے کی تھی ہر مدد
میرے رستے میں بچھایا اس نے لیکن جال تک

محمد شوکت علی شوکتؔ

H.No:7-3-108, FirstFloor
NearRaituBazar.Kashmeegudda
Dist:Karimnagar-505001(T.S)

ہر اک لمحہ شعورِ علم و فن کی آزمائش ہے
سخنور کے تفکر میں سخن کی آزمائش ہے
گھٹالہ ہی گھٹالہ ہے حکومت کے خزانے میں
وطن کے حکمرانوں پر غبن کی آزمائش ہے
خرد کی لاابالی سے نہیں ملتی کوئی منزل
حصولِ علم کی خاطر لگن کی آزمائش ہے
کھلائیں کس طرح سے پھول ہم جذبِ محبت کے
ہر اک لمحہ یہاں اہلِ چمن کی آزمائش ہے
ستم کی انتہا حد سے تجاوز کر گئی اب تو
"جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے"
بچھا کر جال بیٹھا ہے جہاں صیادِ شوکتؔ
یقیناً اس جگہ سارے ہرن کی آزمائش ہے

سید محمد ابرار

Prop:VenusStudio.ZilaParishad
Market.Hamirpur-210301(U.P)

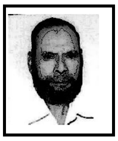

دھند ہے آسمان سے پہلے
سوچ لینا اڑان سے پہلے
یہ جگہ مرکزِ عبادت تھی
آپ کے اس مکان سے پہلے
جو بھی کہنا ہے تم کو خوب کہو
منہ نہ پھیرو بیان سے پہلے
مرغ کی بانگ کہہ رہی ہے یہی
اٹھ بھی جاؤ اذان سے پہلے
کتنے اچھے مرے مراسم تھے
آپ کے خاندان سے پہلے
زیر کرنا اگر ہے دشمن کو
"تیر چھوڑو کمان سے پہلے"
پہلے اپنے کو دیکھ لو ابرار
اک مرے امتحان سے پہلے

شعیب سخن

MauzaBisoli.Fatehpur(U.P)
Mob-7052562059

کہکشاں ہے، آئینہ ہے اور جانے کیا ہے وہ
جانِ جاں ہے، دلربا ہے اور جانے کیا ہے وہ
مہہ جبیں ہے، روشنی ہے، چاندنی ہے، چاند ہے
وہ صبا ہے یا ہوا ہے اور جانے کیا ہے وہ
دھوپ ہے، پرچھائیں ہے، وہ شور ہے یا خامشی
وہ نشہ ہے، میکدہ ہے اور جانے کیا ہے وہ
جی اٹھے ہیں مرنے والے پاکے اس کا لمس بھی
وہ مداوا ہے، دوا ہے اور جانے کیا ہے وہ
زندگی ممکن نہیں ہے اس کی یادوں کے بغیر
غیر ہے کہ آشنا ہے اور جانے کیا ہے وہ

ترنم کانپوری

EhataChhoteMian
Bekanganj.Kanpur
Mob-9415431018

جب سے ہاتھوں کی لکیروں کا ہے پڑھنا آیا
آئی ہے مجھ میں سمجھ خود کو سمجھنا آیا
حوصلہ بخشا ہے جس دن سے خدا نے مجھ کو
زخمی پیروں سے مجھے کانٹوں پہ چلنا آیا
ایک دن اس نے کہا مجھ سے مرا نام لکھو
بس اسی دن سے مجھے لکھنا اور پڑھنا آیا
جب سے برسا ہے ترے پیار کا بادل مجھ پر
رنگ مجھ کو تری تصویر میں بھرنا آیا
زندگی کٹ گئی سانسوں ہی کو سلجھانے میں
جینا آیا نہ مجھے اور نہ مرنا آیا
دل پہ کیا واہمہ گزرا ہے ترنم یہ مرے
اس کی ہر بات پہ ہے مجھ کو الجھنا آیا

ڈاکٹر شیلیش گپت ویر

Radhanagar.Fatehpur-212601
(U.P)Mob-9839942005

مہنگائی کی مار پڑی ہے
بیوی بھی للکار پڑی ہے
پیار کرے تو کیسے کرے وہ
نرگس تو بیمار پڑی ہے
نیتا جی کو چین نہیں اب
ووٹوں کی درکار پڑی ہے
کھیتوں میں ہریالی آئی
بارش کی بوچھار پڑی ہے
کوئی کسی کا سکھ کیا بانٹے
دنیا تو بیزار پڑی ہے
کیسے ویر بچاتا خود کو
دشمن کی یلغار پڑی ہے

انجنا کشش

156,CivilLines.NearMahila
DegreeCollege.Fatehpur(U.P)
Mob-9450435391

دھوکہ میں جس سے کھائے بیٹھی ہوں
دل اسی سے لگائے بیٹھی ہوں
پار ہونے کا راستہ ہی نہیں
اپنی کشتی جلائے بیٹھی ہوں
آج بھی گرچہ وہ نہیں آئے
خود کو پھر بھی سجائے بیٹھی ہوں
اس کی یادوں میں کھوئی ہوں اتنا
خود کو لیکن بھلائے بیٹھی ہوں
کتنی نادان ہوں کشش میں بھی
ریت پر گھر بنائے بیٹھی ہوں

شیوسرن بندھو ہتھگامی

BusStop.Hathgam.
Fatehpur(U.P)Mob-7007028971

کہیں فساد کہیں پر وبال کرنے لگے
شریف لوگ بھی کیا کیا کمال کرنے لگے
زمیں پہ لوگ محبت سے کیوں نہیں رہتے
فلک کے چاند ستارے سوال کرنے لگے
عجیب حال ہے اس دور کے فرشتوں کا
کہ جس کو چاہا اسی کو حلال کرنے لگے
جو ہاتھ آئی حکومت تو شر پسند یہاں
تمام لوگوں کا جینا محال کرنے لگے
جو چند پیسوں کی آمد کا انتظام ہوا
ہمارے لوگ ہمارا خیال کرنے لگے
سیاہ شب کا تکبر بھی ٹوٹ سکتا ہے
بس ایک جگنو اگر دیکھ بھال کرنے لگے

نسیمہ لکھنؤ

411/512,L.D.Building.4thlane
Nishatganj.Luknow-226007(U.P)
Mob-9305424148

غزل کی مثل یہاں حسنِ طرحدار میں ہوں
نشہ اترتا نہیں ہے کہ قربِ یار میں ہوں
میں زندگی میں مکمل نہ ہوسکی اب تک
میں ایک عمر سے بس اس کے انتظار میں ہوں
خزاں بدوش میں رہتی ہوں آج کل لیکن
زمانہ کہتا ہے میں موسمِ بہار میں ہوں
بجھاتا کوئی نہیں سب ہوا ہی دیتے ہیں
تمام عمر میں اس آگ کے حصار میں ہوں
نہیں ہے یاد کہ کب اس نے ہاتھ تھاما تھا
نسیمہ آج تلک میں اسی خمار میں ہوں

حمید عکسی

H.No:14-6-39,Nizampura
P.O:MandiBazar.
Dist-Warangal-506002

بلا کی موج میں دریا کو پار کر لینا
کبھی یہ حوصلہ اے میرے یار کر لینا
مہک اٹھیں گے در و بام اس کی خوشبو سے
تم اس کی یاد کو پھولوں کا ہار کر لینا
تم اپنے زخموں کو پھولوں کی تازگی دے کر
خزاں کی رُت کو بھی رنگیں بہار کر لینا
ملی ہے زخموں کی سوغات جو رفیقوں سے
کبھی کبھی انھیں تم بھی شمار کر لینا
تمہارا نام بھی عکسی رہے گا دنیا میں
وفا پرستی کو اپنا شعار کر لینا

سبطین پروانہ

At:Dilalpur.P.o;Salmari
Dist:Katihar-855113
Bihar

فعلِ بد سے اپنے ہم توبہ کریں
ہر کسی کو یوں نہیں پرکھا کریں
تہمتیں بے جا یہ دھر کے آپ یوں
بھائیوں کو اپنے نہ رسوا کریں
دل سے وہ دیں گے دعائیں آپ کو
ہر کسی سے ہم سلوک اچھا کریں
پست اس کا حوصلہ ہوجایے گا
اس طرح سے آپ نہ ٹوکا کریں
بونا گر ہم ہیں تو ہم کو چھوڑیے
اپنے قد کو آپ اونچا کیجئے
عیب کو پروانہ اس کے ڈھانپ دیں
اس کی نیکی کا مگر چرچا کریں

محمد ممتاز شعور

Qtr.No:E/2.P.W.D.Colony
BrooksHill.P.O:sambalpur-1
Odisha

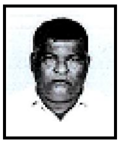

اندھیروں کی تہہ سے پیام آیے گا
اجالوں کا پھر سے سلام آیے گا
اگر سب رہیں بے نیازِ خلوص
برنگِ خوشی غم کا جام آیے گا
نہ ہو ہم سفر جب تمہارا کوئی
کہاں پھر خوشی کا مقام آیے گا
سکھاؤ گے تہذیب اولاد کو
تو ان میں شعورِ سلام آیے گا
وفا اس میں شامل نہیں ہے اگر
محبت کا جذبہ نہ کام آیے گا
زمانے میں جب ہوگا ذکرِ وفا
شعور آخرش میرا نام آیے گا

منیر ارمان نسیمی

ChhotaShankarpur
Bhadrak-756100(Odisha)

ہاتھوں کی لکیروں میں مقدر نہیں ہوتا
ہر جیتنے والا تو سکندر نہیں ہوتا
جھکتی ہے جبیں اپنی فقط ایک ہی در پہ
در در جو بھٹکتا ہے قلندر نہیں ہوتا
دریا کی روانی اسے دے دیتی ہے وسعت
تالاب کی قسمت میں سمندر نہیں ہوتا
گہرائی نہیں جس میں بھلا شاعری کیسی؟
ہر قافیہ پیما تو سخنور نہیں ہوتا
ملتی ہے جسے چھوٹ ستم ڈھانے کی ارمان
قانون کی نظروں میں ستمگر نہیں ہوتا

شکیل سہسرامی

NearRahmanMasjid
MohallaSamanpura
Rajabazar,Patna-14(Bihar)

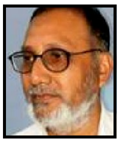

یہ نہ ماضی نہ حال ہوتا ہے
عشق دل کا اچھال ہوتا ہے
فرد نذرِ زوال ہوتا ہے
حوصلہ جب نڈھال ہوتا ہے
کیوں محبت کے عام ہونے پر
زندگی میں وبال ہوتا ہے
ظلم ہوتا ہے عاشقوں پہ جب
دل کو بے حد ملال ہوتا ہے
راستے میں سدا محبت کے
حوصلہ بے مثال ہوتا ہے
سوچتے ہیں الگ وہ دنیا سے
جیب میں جن کے مال ہوتا ہے
کیوں ہے جلدی بتاؤ جانے کی
وصل تو خال خال ہوتا ہے

عارف محمد عارف

At:BadaShankarpur.Qureshi
Mohalla.Post:Bhadrak-756100

اسی کو لوگ کہتے ہیں ہنر جو بے اثر نہ ہو
چرا لاؤ ستارے آسماں کو بھی خبر نہ ہو
رسائی منزلِ مقصود تک آساں نہیں اتنا
پہنچ نہ پایے گا اس تک اگر تو در بدر نہ ہو
ہمیشہ راہ میں لٹنے کا رہتا ہے ہمیں خطرہ
سفر میں جب ہمارا ہم سفر بھی معتبر نہ ہو
خیالوں کا جہاں اس مطلبی دنیا سے بہتر ہے
اسی کو دیکھتے رہتے ہیں ہردم جو مگر نہ ہو
نہ ہریالی کبھی آیے گی کھیتوں میں ترے ہمدم
کہ جب تک خاک میں شامل ترا خونِ جگر نہ ہو
خدا کا خوف پیدا کر تو اپنے دل میں اے عارف
وہی ڈرتا ہے دنیا سے خدا کا جس کو ڈر نہ ہو

ایڈوکیٹ شمس الحق شمس

Deopur.P.O:Biribati
Dist:Cuttack-754100(Odisha)

جستجو، مرحلے، منزلیں، کارواں
زندگی تجربہ، زندگی امتحاں
ہے مری زندگی کے ہراک موڑ پر
کشمکش، تیرگی، یاس، آہیں، دھواں
ساحلوں پر کھڑے دیکھتے ہیں سبھی
بیچ منجدھار میں ڈوبتی کشتیاں
کیسا دستور ہے، کیسی رسمِ وفا
باغباں خود چلا پھونکنے گلستاں
شہسوارِ جہاں آج زنداں میں ہے
دشمنوں کے لیے جو تھا آتش فشاں
شمس پھر سے چلی ہے ہوا پیار کی
سرحدوں پر بجیں پھر سے شہنائیاں

عظیم الداین عظیم

PlotNo:78/427,LotusGarden
Jadupur.Bhubaneswar-751019
(Odisha)

دل میں ارماں مچلتے رہتے ہیں
کروٹیں ہم بدلتے رہتے ہیں
ٹھوکریں کھا کے راہ میں اکثر
بارہا ہم سنبھلتے رہتے ہیں
زندگی ہے کہ دھوپ کا صحرا
جس میں ہم لوگ جلتے رہتے ہیں
یاد کرکے حسین ماضی کو
اپنے ہاتھوں کو ملتے رہتے ہیں
ایسے کچھ لوگ ہیں عظیم یہاں
روز چہرے بدلتے رہتے ہیں

عارفہ رخسانہ

10-1-50,StreetCharwadan
Post/Dist:Siddipet-502103
(Telangana)Mob-9963090280

گر کوئی منصور حق کا پاسباں ہو جایے گا
اس کی قسمت کا ستارہ ضوفشاں ہو جایے گا
گونجے گی آوازِ تکبیرِ مسلسل کو بہ کو
پھر وقارِ گلستاں عظمت نشاں ہو جایے گا
پھر ہوائے تند کے جھونکے چلے ہیں شہر میں
پھر مسلط باغ پر دورِ خزاں ہو جایے گا
گل سراسیمہ نظر آنے لگے ہیں آج کل
کیا پتہ کہ دشمنِ جاں باغباں ہو جایے گا
جاں بلب سڑکوں پہ پھرتا ہے کسانوں کا ہجوم
ظلم کا دستور دنیا پر عیاں ہو جایے گا
دینِ فطرت عارفہ ہے محورِ انسانیت
جو بھی پالے گا اسے وہ شادماں ہو جایے گا

انجینئر کاشف احسن

ExecutiveEngineerC&MSection
MejiaTPS, DVC.
Bankura-722183(W.B)

کہیں خوشی تو کہیں غم کا جال ہوتا ہے
عجیب شکل میں یہ اسپتال ہوتا ہے
بتاؤ کون ہو تم اور کہاں سے آیے ہو؟
جو اجنبی ہیں انھیں سے سوال ہوتا ہے
جسے ہنر نہیں آتا ہے زندہ رہنے کا
تمام عمر پریشان حال ہوتا ہے
جسے بھی ملتا ہے تحفہ عروج کا اک دن
اسے کبھی نہ کبھی پھر زوال ہوتا ہے
خوشی کا جشن مناتے ہو یہ بھی یاد رہے
غموں کے دور میں جینا محال ہوتا ہے
کہوں اسے میں عدو یا کہ ہم نوا احسن
کبھی خلاف کبھی ہم خیال ہوتا ہے

سمیع احمد ثمر

C/oSaghirAnsari.At:Shree
Rampur.P.O:Mahammadpur
Dt:Saran-841223(Bihar)

میں یہاں فرض نبھاؤں گا چلا جاؤں گا
پیار دنیا کو سکھاؤں گا چلا جاؤں گا
کوئی بھٹکے گا نہیں راستہ اپنا ہرگز
میں پتہ سب کو بتاؤں گا چلا جاؤں گا
زندگی اپنی میں جیتا ہوں سہارے کے بغیر
بارِ غم اپنا اٹاؤں گا چلا جاؤں گا
کرکے تقسیم محبت کی زمانے بھر میں
سب کو میں اپنا بناؤں گا چلا جاؤں گا
تیز آندھی میں بھی روشن وہ رہے گا ہر دم
اک چراغ ایسا جلاؤں گا چلا جاؤں گا
زندگی اپنی گزاری ہے مصیبت میں ثمر
قصۂ درد سناؤں گا چلا جاؤں گا

سید ریحان حسن

FlatNo:304,Block-6.Heritage
State.Dodaballapura Road.
Yelahanka.Bangalore-560064

سرحدوں میں مت بانٹو یہ جہاں ہمارا ہے
اس کے گوشے گوشے میں آشیاں ہمارا ہے
حق پہ جان دینے سے ڈر ہمیں نہیں لگتا
ہم کو آسرا دینے مہرباں ہمارا ہے
ہم پہنچ ہی جائیں گے پھر بھی اپنی منزل تک
پیچ وخم کی راہوں میں کارواں ہمارا ہے
ہم پہ کرتا رہتا ہے ظلم وہ یہاں اکثر
کس طرح کا ظالم یہ پاسباں ہمارا ہے
اس کی آبیاری کو نیند سے اٹھو سید
آج اجڑا اجڑا یہ گلستاں ہمارا ہے

کتابوں کے شہر میں

(تبصرے کے لئے دو کاپیوں کا آنا ضروری ہے)

اگر اپنی کتابوں کا اشتہار بھی دیں تو تبصرہ ترجیحی بنیاد پر جلد شائع کیا جائے گا۔ایک صفحے کے اشتہار کی شرح ایک ہزار روپے ہے۔تبصرے کے لئے کافی کتابیں جمع ہو چکی ہیں۔ان پر تبصرہ ترتیب وار شائع ہوتا رہے گا۔(ادارہ)

کتاب کا نام۔عکسِ معرفت (حمد، مناجات، نعت)

شاعر۔مست حفیظ رحمانی تبصرہ نگار۔سعید رحمانی

مست حفیظ رحمانی صاحب ایک کہنہ مشق شاعر ہونے کے علاوہ صحافت کا بھی اچھا تجربہ رکھتے ہیں۔پرورش و پرداخت دینی ماحول میں ہونے کے باعث نعت جیسی پاکیزہ صنف کو اپنی تخلیقیت کا محور بنایا ہے۔اسی لیے کہتے ہیں:

ہمیں تو پیرویٔ حضرتِ حسّان کرنی ہے۔غزل کو چھوڑ دیں گے مدحتِ پیغمبر نہ چھوڑیں گے

چونکہ آستانہ شاہ فضل رحمٰن سے آپ کو خاص نسبت ہے اس لیے متعدد بزرگانِ دین بھی آپ کی شاعری کا مرکز بنے ہیں۔ان بزرگوں کے تعلق سے اس کتاب میں جتنے مناقب ہیں ان میں جذبوں کی فراوانی کے ساتھ ساتھ سرشارانہ کیفیت بھی پائی جاتی ہے۔ان کے نعتیہ کلام پر کچھ کہنے سے قبل یہ بتادوں کے آپ کی ولادت ۱۵؍نومبر ۱۹۴۴ء کو بسواں ضلع سیتاپور (یوپی) میں ہوئی۔ایم اے،بی۔ایڈ اور ادیب کامل کی سند پانے کے بعد درس و تدریس جیسے مقدس پیشے سے منسلک رہے اور ہیڈ ماسٹر کے عہدہ پر ترقی کر کے وظیفہ یاب ہوئے۔طالب علمی کے دور سے شعر و شاعری اور صحافت سے دلچسپی رہی ہے۔چھٹی جماعت میں دورانِ تعلیم اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر دو قلمی ماہناموں گلشن اور پھول کا اجرا کیا۔ساتویں جماعت میں رہتے وقت اسکول میگزین کے اردو سیکشن کے سب ایڈیٹر کے فرائض انجام دیے۔اس کے علاوہ کچھ اخبارات میں کالم نگاری اور مزاحیہ خاکے بھی پابندی سے لکھتے رہے۔گرانقدر ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں بہت سارے ایوارڈز سے بھی سرفراز کیا جا چکا ہے۔

شاعری انھیں ورثے میں ملی ہے جس کو وہ مزید جلا بخشنے میں مصروف ہیں۔زیرِ نظر مجموعہ ۲۰۲۰ء میں شایع ہوا ہے۔تقریباً پانچ دہائیوں کے طویل ادبی سفر کے بعد اس قدر تاخیر سے مجموعے کی اشاعت کا سبب یہی ہوسکتا ہے کہ موصوف کا زیادہ تر وقت دینی وروحانی معاملات میں گزرتا رہا ہے۔تاہم یہ کہنے میں باک نہیں کہ دیر آید درست آید کے مصداق اس میں شامل سبھی تخلیقات کہنہ مشقی، صلابتِ فکری اور ژرف بینی کی عکاسی کرتی ہیں۔نعتوں میں اگر عشقِ رسول کی سرشارانہ کیفیت ہے تو مناقب میں عقیدت مندانہ جذبات کی فراوانی پائی جاتی ہے۔

جس کے دل میں عشقِ رسول ہوتا ہے اس کے لیے دیارِ نبی نہ صرف محبوب ہے بلکہ اس کی نظروں میں خلدِ بریں کا درجہ بھی رکھتا ہے۔اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

یہ مدینہ ہے میاں مست مدینہ ہے یہاں۔ ہر گھڑی بارشِ انوار ہوا کرتی ہے
مرے مست دل کی یہی آرزو ہے۔ دیارِ نبی عمر بھر یاد آیے
عجب بے خودی ہے عجب آگہی ہے۔ دیارِ نبی پھر دیارِ نبی ہے

نعتیہ کلام پر نظر ڈالتے ہیں تو لفظ لفظ سے عشقِ رسول کی خوشبو پھوٹتی محسوس ہوتی ہے۔نعت کا فن جوش کے ساتھ ہوش کا متقاضی ہے۔اس لیے اس راہ میں محتاط ہو کر قدم رکھنا لازمی ہے۔چونکہ حضرت مست شریعت پر گہری نظر رکھتے ہیں اور قرآنی علم سے بھی بہرہ ور ہیں اس لیے اس راہ میں سرخرو گزرے ہیں۔ان کے قدم کہیں بھی لڑکھڑاتے نظر نہیں آتے۔نعت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وعظمت، خلق ومروت اور شاعر کے جذبۂ عشق کا برملا اظہار ہوتا ہے۔

خدا کے بعد ہر آقا کے آقا میرے آقا ہیں۔ زمانہ کوئی ہو میرِ زمانہ میرے آقا ہیں
تخلیقِ کائنات کا عنواں ہیں مصطفٰے۔ انسانیت کو ناز کہ انساں ہیں مصطفٰے
وجہِ تخلیقِ دو عالم آپ ہی کی ذات ہے۔ آپ ہی ٹھہرے ہیں ختم المرسلیں میرے حضور
عدو بھی سامنے آکر سکونِ قلب پاتے ہیں۔ محبت کا سراپا ہی سراپا میرے آقا ہیں
مست رہتا ہوں عشقِ نبی میں۔ کیا قصیدہ پڑھوں اب کسی کا

کتاب کے آخر میں ایک مرصع سلام ہے اور اس کے بعد متعدد بزرگانِ دین کے تعلق سے بلند پایہ مناقب پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مست حفیظ رحمانی صاحب کی نعتیہ شاعری قریۂ عشقِ رسول میں متاعِ درد لٹانے سے عبارت ہے نیز یہ کہ ان نعتوں کے مطالعہ سے موصوف کی شبیہہ ایک سچے عاشقِ رسول کے بطور ابھر کر سامنے آتی ہے۔آخر میں اتنا کہنا چاہوں گا کہ یہ مجموعہ نعتیہ شاعری کے باب میں ایک اضافہ ہی تصور کیا جائے گا۔میری دعا ہے کہ بارگاہِ رسالت مآب میں اسے شرفِ قبولیت حاصل ہو اور شاعر کے لیے توشۂ آخرت بنے۔یہ مجلد کتاب ہدیتاً پیش کی گئی ہے جسے شاعر کے مندرجہ ذیل پتہ سے بلا معاوضہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔پتہ ہے: مست حفیظ رحمانی۔271 اردو گلی۔پرانا سیتاپور۔261001 (یوپی) موبائل نمبر۔6394139007

کتاب کا نام۔کلیاتِ ذوقی (شعری مجموعہ)

مرتب۔سہیل انور تبصرہ نگار۔سعید رحمانی

ذوقی صاحب کا اصل نام محمد ایوب ہے۔موصوف کا تعلق قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد سے ہے۔طبابت کے پیشے سے منسلک تھے اور شعر وشاعری کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ان کے تعلق سے ڈاکٹر عبدالباری فرماتے ہیں: ''ڈاکٹر ذوقی ہماری گزشتہ نسلوں کی ان باقیات الصالحات میں سے ہیں جن کے رتبۂ فن اور شوکتِ فکر کو موجودہ اور آنے والی نسلیں حیرت وحسرت سے دیکھیں گی اور جن کی بلندی تک رسائی کو اپنے پرِ پرواز کی استطاعت سے ماورا محسوس کریں گی''۔

موصوف کی ولادت ۲۴؍دسمبر ۱۹۱۰ء کو ہوئی اور ۹۴؍سال کی طویل عمر گزارنے کے بعد ۲۱؍اکتوبر ۲۰۰۴ء کو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ ذوقی صاحب طبیبِ حاذق ہونے کے علاوہ استادِ فن بھی تھے جن کی ذات سے بہت سارے لوگوں نے کسبِ فیض کیا ہے۔ معروف شخصیت ہونے کے باوجود کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ سب کے ساتھ بڑی عاجزی اور خاکساری سے پیش آتے تھے، خودداری اور وضع داری بھی تھی، فطرتاً کم گو اور کم آمیز تھے، جس کے نتیجے میں کچھ لوگ انھیں مغرور بھی سمجھتے تھے۔ انھیں اس بات کا ادراک بھی تھا۔ اس لئے کہتے ہیں:

غلط فہمی کا باعث بن گئی میری کم آمیزی
مرا اخلاص کام آیا نہ میرے ذہن کی تیزی

شاعری میں درجۂ کمال حاصل تھا۔ شاعری کا کینوس بھی بے حد وسیع تھا جس میں زمانے کے سرد و گرم لمحوں کی بازگشت صاف سنی جا سکتی ہے۔ تقسیمِ وطن کا المیہ، صالح اقدار کی پامالی، فرقہ پرستی جیسے موضوعات کے ساتھ ساتھ حکمت و موعظت کے لعل ہائے بدخشاں ان کی شاعری میں جا بجا بکھرے نظر آتے ہیں۔ چند شعر ملاحظہ فرمائیں:

ناکامیٔ حیات کا شکوہ نہ کیجئے۔ اس کی رضا میں اپنی تمنا سموئیے
بٹھا کر اس کے دروازے پہ پہرے مطمئن تھے ہم
کہاں سے آ گھسی فرقہ پرستی تیری بستی میں
کلیوں سے کوئی وقتِ تبسم یہ کہہ نہ دے۔ یہ جامۂ نشاط تمہارا کفن بھی ہے
یہ آگ و خون کی ہولی یہ قتلِ سفاکی۔ ہے ظلم و جبر کی اک انتہا جفا ہی نہیں
وہ کیا دن تھے رہا کرتے تھے جب شیر و شکر ہو کر
وبالِ جاں ہوئی ہے اب وہی ہمسائیگی اپنی
ذہن و نظر ہیں پستیٔ اخلاق کے اسیر۔ مرہونِ انحطاط ہیں اہلِ وطن تمام

غرض کہ آپ کی شاعری میں زندگی کے نشیب و فراز کے سبھی پہلو سموئے نظر آتے ہیں۔ حالات کے جبر کے باوجود ان پر قنوطیت کبھی طاری نہیں ہوئی اس لیے کہ لاتقنطوا پر انھیں مکمل اعتماد تھا۔ اس کا اظہار ملاحظہ فرمائیں:

اس دورِ سکوں سوز و پر آشوب میں اے دوست
مایوس نہیں ہے دلِ ناکام ابھی تک

یہ کہنے میں باک نہیں کہ "کلیاتِ ذوقی" ایک بامقصد اور وقیع مجموعۂ کلام ہے۔ صوری اور معنوی اعتبار سے لائقِ ستائش اس کلیات کو موصوف کے ہونہار فرزند سہیل انور نے زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے خزاں بردہ ہونے سے بچا لیا ہے جس کے لیے وہ بجا طور پر لائقِ مبارکباد ہیں۔ دبیز کاغذ اور خوبصورت طباعت کے ساتھ ۳۰۸؍صفحات پر مشتمل اس مجموعے کی قیمت 300 روپے ہے جسے ذیل کے پتے سے حاصل کیا جا سکتا ہے: سہیل انور۔ محلّہ سکراول پورب۔ ٹانڈہ۔ امبیڈکر نگر (یوپی)

کتاب کا نام: تھینک یو کورونا (ناول)
ناول نگار۔ منیر ارمان نسیمی   تبصرہ نگار۔ سعید رحمانی

آج کل پوری دنیا کورونا وبا کی گرفت میں جکڑی ہوئی ہے۔ لاکھوں لوگ اس ان دیکھے دشمن کا شکار ہو کر لقمۂ اجل بن چکے ہیں اور کروڑوں زندگی اور موت کے درمیان لٹک رہے ہیں۔ سال بھر سے پوری انسانیت اس عالمی وبا کا شکار ہو رہی ہے مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ چرند پرند اس وبا سے محفوظ ہیں۔ درمیان میں اس کا اثر کچھ کم ہو گیا تھا پھر اس کا ٹیکہ بھی نکلا اور لوگوں کو دیا جانے لگا ہے۔ لیکن ابھی کچھ دن سے اس جراثیم کی دوسری لہر شروع ہو گئی ہے جو کہ پہلے سے زیادہ خطرناک ہے۔ دیگر ممالک کے ساتھ ساتھ ہمارے ملک کے بعض شہروں میں دوبارہ رات کا کرفیو اور لاک ڈاؤن ہونے لگا ہے۔

اسی کورونا وبا کے پس منظر میں زیر نظر ناول لکھا گیا ہے۔ اس میں جہاں اس وبا کی پر خطر منظر کشی کی گئی ہے وہیں اس کے کچھ مثبت پہلو پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس ناول کی کہانی محبت کے ست رنگی جہان کی سیر کرواتی ہے۔ اس میں محبت کی کہانی ایک تکون پر گھومتی ہے جس کے کردار ہیں ڈاکٹر فرہاد، ڈاکٹر نگار اور الماس پٹھان۔ ڈاکٹر فرہاد کی محبت میں ڈاکٹر نگار اور الماس گرفتار ہیں اور دونوں الگ الگ وقت میں ان کی زندگی میں آتی ہیں۔ دونوں نے ان کی زندگی میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے اور وہ دونوں سے بے حد پیار کرتے ہیں۔ ڈاکٹر فرہاد عجیب کشمکش میں ہیں کہ کس کو اپنائیں اور کس کو بھول جائیں؟ اس کہانی کا انجام کیا ہوگا؟ کون ڈاکٹر فرہاد کی شریک حیات بنے گی...... یہی تجسس اس ناول کی جان ہے اور قاری کو باندھے رکھتی ہے کہ وہ جلد از جلد ناول کو آخر تک پڑھ لے۔

کہیں تذکیر و تانیث کی غلطیاں ہیں اور کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں کھٹکتی ہیں۔ ان چھوٹی موٹی خامیوں کی باوجود بلا تردد کہا جا سکتا ہے کہ یہ ناول بے حد دلچسپ ہے اور قاری کو باندھے رکھتا ہے۔ قاری چاہے گا کہ ایک ہی نشست میں اسے پورا پڑھ لے۔ اڈیشا میں ناول نگاری کی داغ بیل ڈالنے پر منیر ارمان نسیمی لائق مبارک باد ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ امید ہے کہ آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رکھیں گے۔ ناول کے آخری سطور سے یہی لگتا ہے کہ اس ناول کا حصہّ دوم بھی آنے والا ہے۔ ۱۵۱ صفحات پر مشتمل، اس دیدہ زیب مجلد کتاب کی قیمت صرف ۱۰۰ روپیہ ہے جو کہ بہت کم ہے جسے ذیل کے پتے پر حاصل کر سکتے ہیں۔ پتہ ہے: منیر ارمان نسیمی، چھوٹا شنکر پور، بھدرک -- ۷۵۶۱۰۰ (اڈیشا) موبائل: 9937123856

کتاب کا نام۔ غزل زار (شعری مجموعہ)
شاعر۔ عمران راقم   تبصرہ نگار۔ سعید رحمانی

گزشتہ تین دہائیوں سے بھی زائد شعری سفر کے دوران عمران راقم شعری محضر نامہ میں اپنی شناخت درج کرا چکے ہیں۔۔ بنیادی طور پر غزل کے شاعر

ہیں مگر افسانہ نگاری اور صحافت کا تجربہ بھی رکھتے ہیں۔سرِ دست ماہنامہ ''صورت'' ان کی ادارت میں شائع ہورہا ہے۔

ان کی غزلوں کو نئی شاعری کے ذیل میں رکھا جاسکتا ہے۔یہ غزلیں ذات سے کائنات تک کا سفر کرتے ہوئے عصرِ حاضر کا اشاریہ بن گئی ہیں۔ذاتی مشاہدات و تجربات سے حرارت کشید کرکے انھوں نے زندگی اور اس کے باطن سے پھوٹنے والے مسائل کو بڑی ہنرمندی سے شعری جامہ عطا کیا ہے۔

۱۹۸۶ء سے ان کا شعری سفر جاری ہے۔اس دوران دو شعری مجموعے نئی آواز اور نئی زمین کے نام سے شائع ہوچکے ہیں۔مزید دو مجموعے تیزاب اور نیا آسمان زیرِ ترتیب ہیں۔''نئی آواز'' کے لئے بہار اردو اکادمی نے انھیں مالی تعاون سے نوازا ہے۔اس کے علاوہ اڈیشا اردو اکاڈمی اور دیگر ادبی تنظیموں کی جانب سے اعزازات سے سرفراز کیا گیا ہے۔

غزلوں پر مشتمل زیرِ نظر مجموعہ ان کی تیسری پیش کش ہے۔اس میں شامل غزلیں کربِ ذات کے ساتھ ساتھ کربِ کائنات کا ایک جامع منظر پیش کرتی ہیں۔روزمرہ کے واقعات کو موصوف اس طرح پیش کرتے ہیں کہ نہ تو ان میں فلسفہ کی موشگافیاں ہوتی ہیں اور نہ ہی ناصحانہ انداز پایا جاتا ہے۔زبان و بیان کی سلاست اور سادگی کے ساتھ اپنی بات اس طرح کہہ جاتے ہیں کہ قاری متاثر ہوئے بنا رہ نہیں سکتا۔یوں تو ان کی شاعری میں فردِ واحد کے دلِ دردمند کی دھڑکنیں سنی جاسکتی ہیں لیکن بغور مطالعہ کیا جایے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بڑے شہروں کے ہر حساس فرد کی کہانی ہے۔بعض جگہ اپنے ذاتی مشاہدات کو استعاراتی پیرائے میں بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے جس کی بنا پر ان اشعار میں ہمہ گیریت اور سماجی معنویت پیدا ہوگئی ہے۔نیز یہ بھی کہ جہاں ان کی شاعری میں عصرِ حاضر کے تپتے ہوئے صحرا کی تمازت کا احساس ہوتا ہے وہیں جمالیات کی شبنمی ٹھنڈک بھی باعثِ طمانیت بنتی ہے۔اس تمہید کے بعد آیئے ان کے چند اشعار پر نظر ڈالتے ہیں:

اک باپ لٹا دیتا ہے اولاد پہ سب کچھ۔اولاد سے کب باپ کی تکریم ہوئی ہے
جانے کس وقت میں دہشت کا نوالہ بن جاؤں۔سہما سہما سا ہوں میں اپنے ہی اندر جیسے
اکثر نظر وہ آیے منافق کے ساتھ ساتھ۔جن کا شمار ہوتا ہے حق کے گواہ میں
نہیں چھوڑے گی یہ پیچھا ہمارا۔ہے اس کا نام الجھن کیا کروگے

یہ اشعار آج کل کے معاشرے کی ناہمواریاں پیش کرتے ہیں۔اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی غزلوں کا کینوس بہت وسیع ہے۔جس میں متنوع موضوعات کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔تلمیحات اور جمالیات پر یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

مانا خرید لوں گا زلیخا کو سفر میں۔یوسف کہاں سے لاؤں گا بازار کے لئے
سنگ مرمر سا مجھے تیرا بدن یاد آیا۔میں نے دیکھا جو حسیں تاج محل پانی میں

اس کے علاوہ استعاراتی پیرایے کے اشعار شعری جمال کے ساتھ ساتھ اپنے اندر گہرائی و گیرائی بھی رکھتے ہیں اس کے بھی چند مثالیں ملاحضہ فرمائیں۔

کس طرح بانٹتا وہ اندھیرا حیات کا۔جو شخص مصلحت کے اجالوں میں گم ہوا
کشتئ عمر کو ساحل سے لگانے کے لئے۔اپنے ہاتھوں کو بھی پتوار کیا ہے اس نے
شبنم سے جل گیا ہے راقم کا برگِ دل بھی۔شعلوں سے گھر جلا تو حیرت کی بات کیا ہے

مجموعی طور سے کہا جاسکتا ہے کہ عمران راقم کا شمار ایسے شعراء میں کیا جاتا ہے جن کی شاعری میں تازہ کاری اور نئی غزل کی فضا ہموار نظر آتی ہے۔

اس مجموعے میں کتابت کی چند غلطیوں کے علاوہ بعض اشعار میں عروضی خامیاں بھی سدِ راہ ہوتی ہیں۔مثلاً صفحہ ۹۴/ پر ایک مصرع میں لفظ ہوس زدہ کی جگہ ہوس ذدہ لکھا گیا ہے۔صفحہ ۱۲۴/ پر ایک شعر میں موسمِ برسات کی ترکیب غلط ہے۔کیونکہ موسم فارسی اور برسات ہندی لفظ ہے۔دونوں کو اضافت کے ساتھ جوڑنا غلط ہے۔صفحہ نمبر ۳۷ پر ایک غزل کا مطلع ہے

سنہرے خواب کی تعبیر بھی ڈراتی ہے۔غریبِ وقت کو تقدیر بھی ڈراتی ہے

اس کی بحر ہے مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن جبکہ اسی غزل کا ایک مصرع جو دوسری بحر میں ہوگیا ہے وہ ہے: ''اگر ہو خوف ظالم کا کسی دل میں تو پھر اس کی'' اس مصرع کی بحر ہے: مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

بہرحال ان چند چھوٹی موٹی خامیوں کے باوجود کہا جاسکتا ہے کہ عمران راقم ایسے تازہ کر شاعر ہیں جن کی شاعری میں صالح فکری کے ساتھ ساتھ حالات کا جبر بھی ہے تو قدروں کی پائمالی کا نوحہ بھی ہے۔مختصر یہ کہ ان کی شاعری میں تازہ کاری کے ساتھ نئی غزل کی فضا ہموار نظر آتی ہے۔امید ہے کہ یہ مجموعہ بھی پہلے مجموعوں کی طرح مقبول ہوگا۔اس کی قیمت ہے ۲۵۰/روپے اور شاعر کا پتہ ہے:۔عمران راقم۔3 گرانٹ اسٹریٹ۔فرسٹ فلور۔کولکاتا۔700013 (مغربی بنگال)

کتاب کا نام۔کرب زار (شعری مجموعہ)

شاعر۔شارق عدیل تبصرہ نگار۔عبدالمتین جامی

فخرالدین علی احمد میموریل سوسائٹی لکھنؤ کے مالی تعاون سے ''کرب زار'' شائع کی گئی ہے۔اس کے خالق شارق عدیل ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔شعر و ادب کے میدان میں انھیں نمایاں مقام حاصل ہے۔اس کتاب میں مختلف اصنافِ سخن پر ان کی تجرباتی تخلیقات شامل ہیں۔ان اصناف میں رباعیاں' دوبیتیاں' قطعات' تروینی' ثلاثی' ماہیے وغیرہ کو جگہ دی گئی ہے اور یہ سبھی تخلیقات انھوں نے اپنے عزیز و اقارب کے نام معنون کیا ہے۔

مشمولات کے اعتبار سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوا ہے۔کیونکہ آج کل غزلیہ مجموعے تو بہت شائع ہوتے ہیں لیکن اس نوعیت کے مجموعے خال خال ہی نظر آتے ہیں۔اس سے قبل ان کی چار کتابیں شائع ہوکر اہلِ ادب سے خراج حاصل کرچکی ہیں جن کے نام ہیں: آہٹ' دھنک' فصیل اور قشقہ۔موخرالذکر کتاب اردو کے غیر مسلم قلمکاروں پر لکھے گئے مضامین پر مشتمل ہے۔شعر و ادب پر مزید درجن بھر کتابیں اشاعت کی منتظر ہیں۔موصوف کی رباعی گوئی پر ناچیز نے ایک مضمون بھی

لکھا ہے جو میری کتاب ''آئینۂ تنقید میں'' شامل ہے۔ان رباعیوں کے بحور و اوزان پر تجزیہ بھی کیا ہے۔ان کی ایک رباعی ملاحظہ فرمائیں:

اے تنگ دلو! جشن کے ساماں نہ کرو — اس درجہ مرے اوپر احساں نہ کرو
بدنامِ محبت ہوں عطا کر کے دار — ہستی کو مری اور نمایاں نہ کرو

اس رباعی کو تین اوزان میں لکھا گیا ہے جو ہر کس ناکس کے بس کی بات نہیں۔چونکہ شارق عدیل اس صنف پر مکمل گرفت رکھتے ہیں اس لیے بڑی آسانی سے وہ رباعی کہہ گئے ہیں۔اکثر حضرات کی رباعیاں دولخت یا سہ لخت ہو جاتی ہیں لیکن شارق عدیل اس میں سرخرو گزرے ہیں۔

دوبیتی بھائی اسلم حنیف کی ایجاد کردہ صنف ہے جو کہ قطعہ کا دوسرا روپ ہے۔اس میں چار مصاریع ہوتے ہیں مگر مطلع نہیں ہوتا ہے۔بقول ظہیر غازیپوری: قطعات لکھنا بھی مشکل ترین کام ہے جس میں اپنی بات چار مصرعوں میں کہنا پڑتی ہے۔اگر لکھنے والا مستند نہ ہو تو اس کے قطعات دولخت یا سہ لخت ہو جاتے ہیں۔

اس کتاب میں قطعات کے زیرِ عنوان چند قطعات شامل کیے گئے ہیں۔تروینی تین مصرعوں پر مبنی ایک صنفِ سخن ہے۔اسی طرح ثلاثی بھی تین مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ان دونوں اصناف پر شارق عدیل نے بھی طبع آزمائی کر کے اپنی فنی گرفت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ان کی ایک ثلاثی ملاحظہ فرمائیں:

عزمِ دل کا بڑھا دیا کس نے
خواب محلوں میں رکھ کے آئینے
مجھ کو مجھ سے ملا دیا کس نے

اس صنف میں غزل کی طرح وسعت ہے اور ہر طرح کے موضوعات نظم کیے جا سکتے ہیں۔ماہیا گیت پنجابی صنفِ سخن ہے۔اردو میں اسے مستعار لیا گیا ہے۔ماہیا گیتوں کے علاوہ تقریباً ۱۵۰/ ماہیے اس کتاب میں شامل ہیں اور سبھی لائقِ تعریف ہیں۔مثالاً ایک ماہیا پیش ہے:

بچپن کا زمانہ دے
یار کے کوچے میں
جانے کا بہانہ دے

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ''کربِ زار'' شارق عدیل صاحب کے فنی و شعری بصیرت کا آئینہ دار ہے۔کتاب کی طباعت عمدہ ہوئی ہے اور پہلی ہی نظر میں قاری کی توجہ اپنی جانب مبذول کرتی ہے۔امید ہے کہ اس کی پذیرائی خوش دلی سے کی جائے گی۔قیمت ہے ۱۵۰/ روپے اور شاعر کا پتہ ہے: شارق عدیل۔مارہرہ۔ضلع ایٹہ 207401 (یوپی)۔موبائل۔9368747886

کتاب کا نام۔العطش (منظوم داستانِ کربلا)
شاعر۔شارق عدیل
تبصرہ نگار۔عبدالمتین جامی

عزیز تنویر کی پیدائش ۱۹۳۹ء میں ہوئی تھی۔وہ پیشے کے اعتبار سے انجینئر تھے لیکن شعر و شاعری کا رچا بسا ذوق رکھتے تھے۔ان کے کئی مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں جن کے نام ہیں: تنویرِ حرم (حمد و نعت)، ادبیاتِ تنویر (غزلیہ) وغیرہ۔زیرِ نظر کتاب منظوم داستانِ کربلا کی صورت میں ہے۔سانحۂ کربلا اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے جو اہلِ ایمان کو حق گوئی اور بیباکی کی تحریک دیتا ہے۔اس میں ان کا مضمون دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ موصوف ایک اچھے نثار بھی تھے۔اس مضمون میں انھوں نے مرثیہ نگاری کی روایت پر روشنی ڈالی ہے جس کا مطالعہ یقیناً اس روایت سے آشنا کرنے میں معاون ہوگا۔

کتاب کا مقدمہ ڈاکٹر معین الدین شاہین اجمیری نے لکھا ہے۔ان کی تحریر سے عزیز تنویر صاحب کے آبا و اجداد کے علاوہ ان کی ذاتی زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے۔شاہین صاحب لکھتے ہیں: ''اردو کے صاحبِ طرز مرثیہ نگاروں کے چراغ سے اپنا چراغ روشن کرتے ہوئے جدت و ندرت پیدا کرنے کی سعی فرمائی ہے''۔اس کتاب میں شامل ڈاکٹر شاہد جمالی کا مضمون ''اکیسویں صدی کے مرثیہ نگار'' کے علاوہ سید یاور حسین یاور اور توقیر عابدی کے مضامین بھی تنویر فہمی میں معاون ہیں۔

یہ منظوم داستان مسدس کی شکل میں ہے۔شروع تا آخیر پڑھتے چلے جائیے تنویر صاحب کی جادو بیانی کا اسیر ہوئے بنا نہیں رہ سکتے۔لفظوں کا برملا دروبست، بیان کی ندرت، پیکر و علائم کے ساتھ بلا کی روانی آپ کو شروع تا آخر باندھ کر رکھے گی۔اس کے مطالعہ کے بعد تسلیم کرنا پڑے گا کہ اردو زبان کے پرانے شعراء کے مرثیوں کو نظر انداز کر کے اس عہد کا کوئی شاعر مرثیہ نگاری نہیں کر سکتا۔بہر کیف آج سے دو سو سال پہلے والی اردو اب نہیں رہی۔موجودہ عہد کی اردو بہت تغیر اور تبدل کے بعد ایک ایسے مقام پر آ گئی ہی جسے ٹھہراؤ کا نام دیا جا سکتا ہے۔تنویر صاحب کے مرثیوں کے دو بند آپ کی نذر کر رہا ہوں۔

حلقوم چوما کرتے تھے جس کا کہ مصطفےٰ — اللہ رے وہ سبطِ شہنشاہِ انبیاء
ایسا حسین پیدا نہیں ہوگا دوسرا — وہ شخص جس نے حق پہ کیا گھر کا گھر فدا
بچپن میں لے کے گود میں شاہِ زمان کو
چسوائی تھی رسول نے اپنی زبان کو

اک ناطقِ قرآن ہے تو ہو بہو حسین — سلطانِ لافتی کی ہے تو آبرو حسین
اے ارضِ پاک کربلا کی آرزو حسین — اے ساحلِ فرات کے تشنہ گلو حسین
شانوں پہ تیرے دینِ محمد کا بار ہے
اے سبطِ نبی تجھ پہ یہ امت نثار ہے

ان دونوں بند کو پڑھتے ہی آپ کو احساس ہو جائے گا کہ تنویر صاحب ایک پختہ کار مرثیہ نگار شاعر تھے، جن کے الفظ ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔بلا شبہ ''العطش'' ایک کامیاب مجموعۂ مرثیہ ہے۔اس کتاب کی قیمت ہے 250 روپے اور ملنے کا پتہ: جمشید بک ڈپو۔دیوان صاحب کی حویلی کے نیچے۔چشتیہ مارکیٹ۔درگاہ ریف۔اجمیر (راجستھان)

کتاب کا نام۔گلاب موسم (شعری مجموعہ)
شاعر۔شرافت حسین تبصرہ نگار۔سعید رحمانی

ادبی منظر نامہ میں شرافت حسین شاعر اور فکشن نگار کی مستحکم شناخت رکھتے ہیں۔گزشتہ صدی کی آٹھویں دہائی سے ان کا ادبی سفر جاری ہے۔اس دوران ان کے چار شعری مجموعے: رشتوں کے ذائقے‘ میری دنیا میرے لوگ‘ تھوڑی سی زندگی اور شہرِ سنگ کے علاوہ تین افسانوی مجموعے: کنوئیں کے باسی‘ اکیلا ہنس اور دشا بھرم شایع ہو کر اہلِ ادب سے خراج حاصل کر چکے ہیں۔مضامین پر مشتمل ایک اور مجموعہ ’’قلمی کہکشاں‘‘ کے نام سے بھی شائع ہو چکا ہے۔اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ شرافت حسین ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں جنھیں شعروادب کے علاوہ فکشن نگاری میں بھی مہارت حاصل ہے۔

زیرِ نظر شعری مجموعہ ان کی پانچویں پیش کش ہے جس کی ابتدا حسبِ روایت مناجات اور نعتِ پاک سے ہوئی ہے۔اس کے بعد غزلیں‘ دوہے اور ماہیے شامل ہیں۔غزل وہ بتِ ہزار شیوہ ہے جو ہر کس و ناکس کو اپنی زلفِ گرہ گیر کا اسیر بنا لیتی ہے۔اردو میں جتنی بھی اصناف ہیں ان میں غزل کو فوقیت حاصل ہے۔یہ اردو کی آبرو بھی کہلاتی ہے۔اس کا دامن اس قدر وسیع ہے کہ انفس و آفاق کے سبھی پہلو اس میں سموئے جاسکتے ہیں۔ساتھ ہی یہ ہر بدلتے ہوئے دور کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکتی ہے۔

اس تعارف کے بعد آیئے ایک نظر ’’گلاب موسم‘‘ کی غزلوں پر ڈالتے ہیں۔یہ غزلیں شاعر کے محسوسات اور مشاہدات کی آئینہ دار ہیں۔ان کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ شرافت حسین غزل کے مزاج آشنا ہیں اور روایت سے درایت تک پہنچنے کا ہنر بھی جانتے ہیں۔آج کی مسموم ہوتی ہوئی فضا‘ معاشرتی ناہمواریاں‘ مہنگائی‘ سیاسی شعبدہ بازی‘ عدلیہ کے کردار اور ملت کی زبوں حالی جیسے موضوعات کو انھوں نے بڑی ہنرمندی سے شعری جامہ عطا کیا ہے۔اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

زہر نفرت کا فضاؤں میں ابھی پھیلا ہے۔ امن کا کوئی کبوتر نہیں ملنے والا
نفرتوں کی زد میں رہتے ہیں شرافت ہم سدا۔ بارہا پھینکے گئے ہیں آتشِ سیال میں
انھیں کیا ہو گیا ہے اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔پڑوسی جو محبت کا سدا اظہار کرتے تھے
عدالت نے سزا ہم کو سنا دی ۔گواہوں کا بیاں ہونے سے پہلے
خواب اچھے دنوں کا دکھلا کر۔ ہم کو آمادۂ زوال کیا
جہاں اچھائیوں کی تھی حکومت۔ برائی پاؤں پھیلانے لگی ہے

استعاراتی پیرائے میں کہے گئے اشعار کی تہہ داری قابلِ تعریف ہے ملاحظہ فرمائیں:

کھل گئیں یادوں کی ساری کھڑکیاں۔ ٹوٹ کر ساون جو برسا رات بھر
قید رہتے ہیں سچ کے حجرے میں ۔جھوٹ کی کھائیوں سے ڈرتے ہیں

بعض اشعار شاعر کی شخصیت کے آئینہ دار بھی ہیں جن سے شاعر کی شخصیت اور فطرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ملاحظہ ہو:

دشمنوں کو معاف کر دینا۔مری خصلت یہ خاندانی تھی
زمانہ اب نہیں پھولوں کا شائق۔ ہمیں بھی خار ہونا چاہیے تھا

یہ اشعار شاعر کی شخصیت‘ عصری آگہی اور تعمیری جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ گلاب موسم کی خوشبو قاری کے ذہن و دل کو تادیر مہکاتی رہے گی۔اس لائقِ مطالعہ مجموعے کی قیمت ہے ۱۵۰/روپے اور شاعر کا پتہ ہے: شرافت حسین ۔قاضی پورہ۔ٹانڈہ۔امبیڈکر نگر۔224190 (یوپی)

(نوٹ۔بڑے افسوس کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ چند روز قبل شرافت حسین صاحب کا انتقال ہو چکا ہے۔)

کتاب کا نام۔ ہفت رنگ (شعری مجموعہ)
شاعر۔سعید رحمانی منظوم تبصرہ نگار۔نظام مجھولیاوی

بامِ غزل کا نیرِ تاباں ہے ہفت رنگ
علم و ادب کا ایک گلستاں ہے ہفت رنگ
لہجہ جدید اور ہے انداز بھی نیا
اس کی سطر سطر میں کمالِ سعید ہے
رکھتے ہیں اپنی غزلوں میں اک منفرد شناخت
شعر و ادب کی روشنی کرنے جہان میں
اس میں جھلکتا عکس ہے اس دور کا ضرور
خوبی ہی خوبی اس میں نظر آتی ہے ہمیں
فکر و خیال کے ہیں کھِلے سیکڑوں گلاب
اردو زباں ہے پھول تو خوشبو ہے یہ کتاب
لکھی ہیں غزلیں اس طرح حضرت سعید نے

شعر و سخن کا مہرِ درخشاں ہے ہفت رنگ
اس درجہ اپنے آپ میں ذیشاں ہے ہفت رنگ
حسنِ غزل کا ایک گلستاں ہے ہفت رنگ
اور ان کے فکر و فن کا خیاباں ہے ہفت رنگ
بے شک یہ ان کی کاوشِ ذیشاں ہے ہفت رنگ
شمعِ ادب کی مثل فروزاں ہے ہفت رنگ
یوں آئینے کے جیسا درخشاں ہے ہفت رنگ
اردو ادب کی شان ہے اور جاں ہے ہفت رنگ
راحت رساں ہے‘ چین کا ساماں ہے ہفت رنگ
اپنی مہک سے درد کا درماں ہے ہفت رنگ
اہلِ سخن کے دل میں جو مہماں ہے ہفت رنگ

طرحی غزل کا بقیہ

سرور پنڈولی (مدھوبنی بہار) موبائل۔9905035274

مہکے پل غم کی صدی تک یاد ہے
جز خوشی کے برہمی تک یاد ہے
اک خدا کو بھول بیٹھے ہیں سبھی
اس کو اک اک آدمی تک یاد ہے
ایک ذرے نے بگاڑا شہر تک
اک وبائے عالمی تک یاد ہے
تو ہے داخل روح تک دِل تک مرے
ہے غلط بس شاعری تک یاد ہے
شعر میں جدت بھی سرور کیوں رہے
تجھ کو بس حرفِ روی تک یاد ہے

کاشف احسن (بانکورہ‘ مغربی بنگال) موبائل۔7076312897

ہر طرف آہ و بکا فریاد ہے
ظلم پر مائل ابھی شداد ہے
اب زباں پر لگ چکی ہیں بندشیں
شکر ہے کہ دل ابھی آزاد ہے
کون دے گا جان راہِ عشق میں
اب نہیں کوئی یہاں فرہاد ہے
میں شبِ فرقت میں بھی تنہا نہیں
تیری یادوں سے یہ دل آباد ہے
جاتے جاتے دیکھنا مڑ کر ترا
’’مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے‘‘

گوشۂ احباب

(مراسلہ نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں ہے)

☆۔**انیس منیری (احمد آباد)**

ادبی محاذ بابت جنوری تا مارچ ۲۱ء موصول ہوا۔حالیہ شمارے میں جناب نے میری نظم بعنوان "دعا" شائع فرما کر شکریہ کا موقع عطا فرمایا۔یہ میرے لیے خوشی کی بات تھی۔لیکن نظم کے آخری تین مصرعے جناب نے اپنی طرف سے لکھ دیے۔یہ میری نظم کے مصرعے نہیں تھے۔مصرعے یوں ہیں:

طاقتِ ایمان کو کردے دوبالا اے خدا
قوتِ عرفان کو کردے حقیقت آشنا
سینۂ چاکانِ چمن سے آملیں سب سینہ چاک

مناسب سمجھیں تو تصحیح فرمادیں۔جناب کے اختیار میں ہے جو چاہے کرسکتے ہیں۔خوشی کی بات ہے کہ جناب نے نباضِ فطرت عالیجناب قاضی مشتاق احمد کا گوشہ شائع کرکے بڑا اچھا کام کیا ہے۔میں قاضی صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں۔اس کے علاوہ چند نعتیہ مجموعوں پر تاثراتی مطالعہ کے عنوان سے نعت گوئی پر اپنے خیالات کا اظہار فرما کر صنفِ نعت پر پڑے ہوئے دبیز پردے کو وا کیا ہے۔میرے نعتیہ مجموعہ "راہِ طیبہ" پر ادبی محاذ میں جناب نے تبصرہ بھی فرمایا تھا۔اور اپنی کتاب "شاعری آج کل اور ہمیشہ" کے لیے میری ایک نعت مختص کردی تھی۔جناب کے توسل سے قاضی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ساتھ ہی وہ نعت جو موصوف نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے اس کی نقل بھی پیشِ خدمت ہے۔مناسب سمجھیں تو اسے ادبی محاذ کے لیے مخصوص فرمالیں ورنہ آپ کے اختیار میں ہے۔حالیہ شمارے میں جن قلمکاروں نے شرکت کی ہے ماشاء اللہ خوب سے خوب تر ہے۔غزلیں عمدہ ہیں۔ملک کے ناگفتہ بہ حالات کی بنا پر کئی ماہ نامے اور رسالے بھی متاثر ہویے ہیں۔ربِ کائنات کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ادبی محاذ جاری وساری ہے۔میری غزلوں کا ایک مجموعہ "رقصِ غزل" گجرات اردو ساہتیہ اکاڈمی کے مالی تعاون سے شائع ہوا ہے اور گجرات اکاڈمی نے اسے پہلا انعام بھی دیا ہے۔امروز وفردا میں تبصرے کے لیے دو کاپیاں ارسال کردوں گا۔انشاء اللہ

ایک غزل ادبی محاذ کے لئے پیشِ خدمت ہے۔مناسب سمجھیں تو شامل کرکے ممنون فرمائیں۔

نوٹ۔آپ کی نظم "دعا" ہو بہو شائع کی گئی ہے۔آپ کا یہ کہنا غلط ہے کہ میں نے اپنی طرف سے تین مصرعے لکھ دیے ہیں۔جو کلام آپ نے ارسال کیا ہے اس کی نقل اگر آپ کے پاس ہو تو ملا کر دیکھ لیں۔اس کے آخری دو مصرعے اس طرح ہیں:

دینِ حق کے لیے　　　آپ روحِ رواں

اور اپنے خط میں جو تین مصرعے آپ نے لکھے ہیں وہ مصرعے نہیں ہیں۔آپ کی نعتِ پاک کی فوٹو کاپی دیکھیں۔آپ نے اپنے جن تین مصرعوں کا حوالہ دیا ہے وہ اس دعا میں کہاں درج ہے؟ کسی کی خامیاں بتانے سے پہلے خوب غور کرلیں اس کے بعد نشان دہی کریں۔پھر بھی آپ کی خواہش کے مطابق وہ دعا اس شمارے میں پھر سے شامل کرلی ہے اور آپ کے تینوں مصرعے بھی اس میں ہیں جن کی بحر الگ ہے۔آپ نے جو نعت دعا کے عنوان سے بھیجی تھی اس کو فوٹو کاپی ملاحظہ کریں۔

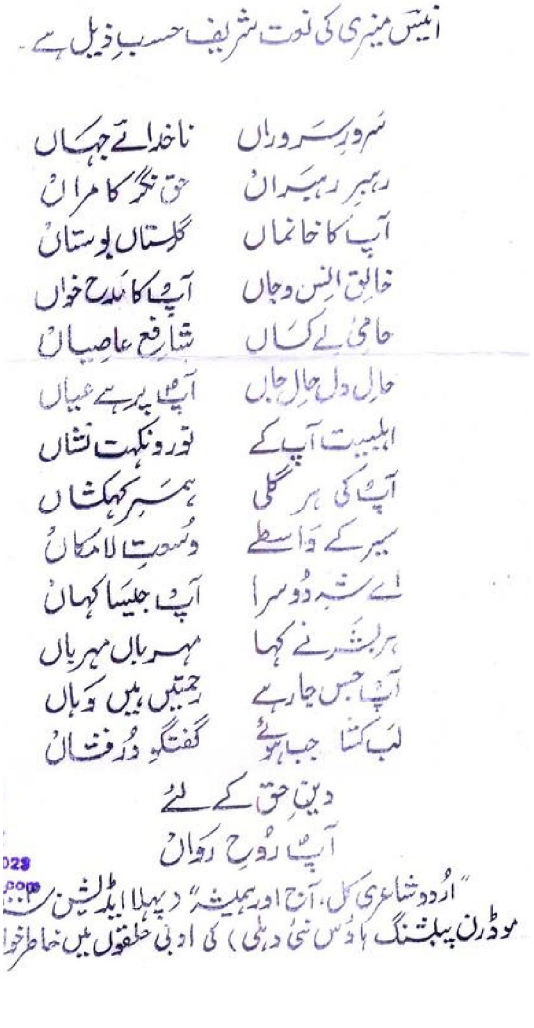
انیس منیری کی نعت شریف حسبِ ذیل ہے۔

سرورِ سروراں　　ناخدائے جہاں
رہبرِ رہبراں　　حق نگر کامراں
آپ کا خانماں　　گلستاں بوستاں
خالقِ انس وجاں　　آپ کا مدح خواں
حامیٔ بے کساں　　شافعِ عاصیاں
حالِ دل حالِ جاں　　آپ پر ہے عیاں
اہلبیت آپ کے　　نور ونکہت نشاں
آپ کی ہر گلی　　ہمسرِ کہکشاں
سیر کے واسطے　　وسعتِ لامکاں
بے شبہ دوسرا　　آپ جیسا کہاں
ہر بشر نے کہا　　مہرباں مہرباں
آپ جس جا رہے　　رحمتیں ہیں وہاں
لب کشا جب ہوئے　　گفتگو دُرفشاں
دینِ حق کے لئے
آپ روحِ رواں

"اردو شاعری کل، آج اور ہمیشہ" (پہلا ایڈیشن ...
موڈرن پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی) کی ادبی حلقوں میں خاطرخوا...

☆صادق علی انصاری (سیتاپور (یوپی)

آپ کا رسالہ ادبی محاذ اس باروقت سے پہلے ہی مل گیا۔اس مختصر میگزین میں اتنا ادبی مواد ہوتا ہے جتنا کسی ضخیم جریدے میں پایا جاتا ہے۔اس مرتبہ آپ نے اچھا قدم اٹھایا کہ جنوری تا مارچ کے شمارے کو ایک بڑی شخصیت قاضی مشتاق احمد صاحب کے نام منسوب کردیا۔واقعی وہ ایک بڑے فنکار ہیں جن کے روشن ادبی پہلوؤں پر مختلف قلمکاروں نے بسیط سے روشنی ڈالی ہے۔

دیگر مشمولات میں مضامین، افسانے، غزلیں، نظمیں نیز کتابوں پر تبصرے لائقِ مطالعہ ہیں۔مگر سب سے پہلے میں گوشۂ احباب پڑھتا ہوں۔اس بار جمشید پور کے تنویر اختر رومانی صاحب کا تفصیلی مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں گلبن کے بند ہوجانے کا تذکرہ بھی ہے۔اس ضمن میں اپنی بات کہنا چاہوں گا۔ ماہنامہ ''بیباک'' کے مدیر ہارون بی اے صاحب کو میں نے ۱۷ر ستمبر ۲۰۱۸ء کو دو سو روپے بطور زرِ سالانہ ارسال کیے تھے۔مگر افسوس کہ اب تک بیباک کا ایک بھی شمارہ نہیں ملا۔متعدد خطوط بھی لکھے لیکن جواب ندارد۔کچھ مدیروں کی اس طرح کی حرکت اردو زبان کے فروغ میں مانع ہوتی ہے۔امید ہے کہ مدیران اس بات کا خیال رکھیں گے۔

نوٹ۔ مانامہ بیباک کے مدیر ہاروں بی اے صاحب کورونا کا شکار ہوکر لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ماہنامہ بیباک اب شائع نہیں ہوتا ہے۔

☆☆☆

☆حیرت فرخ آبادی (رانچی)

رسالہ باقاعدگی سے مل رہا ہے شکریہ۔غزلوں کی اشاعت کے لیے بھی ممنون ہوں۔ایک مضمون صابر حلیم صاحب کا لکھا ہوا اور کچھ غزلیں اشاعت کے لیے بھیج رہا ہوں۔رسالے کے مشمولات کی تعریف کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے برابر ہے۔ان نامساعد حالات میں بھی آپ دونوں زبان وادب کی خدمت میں لگے ہیں اس کی تعریف تو ہونا ہی چاہیے۔ایک چھوٹی سی رقم رسالے کے تعاون کے بطور بھیج رہا ہوں۔قبول فرمائیں۔

میری اہلیہ تین روز سے ICU میں زیرِ علاج ہیں۔انھیں کووڈ تو نہیں ہے مگر لنگس میں انفکشن ہوگیا ہے۔انھیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

نوٹ۔اس خط کے ملنے کے چند دنوں بعد اطلاع ملی کہ حیرت فرخ آبادی صاحب کی اہلیہ کا انتقال ہوچکا ہے۔اس سانحہ پر ادارہ ادبی محاذ فرخ صاحب کے غم میں برابر کا شریک ہے اور اللہ سے دعا گو ہے کہ موصوفہ کی روح کو شانتی دے۔

☆☆☆

ادبی وثقافتی خبریں

ساہتیہ اکاڈمی کا جشنِ ادب، تقسیمِ ایوارڈ برائے تراجم ۲۰۱۹ء کا انعقاد
اسلم مرزا کو پُر وقار ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ تفویض

ساہتیہ اکاڈمی کے ذریعہ منعقدہ جشنِ ادب ۲۱۲۱ء کے دوسرے دن کمائی آڈوٹوریم، نئی دہلی میں تقسیمِ ایوارڈ کے جلسے کی مہمانِ خصوصی ہندی کی معروف ادیبہ چترا مُدگل تھیں۔جبکہ پروگرام کی صدارت چند شیکھر کمبھار نے کی۔شریمتی چترا مُدگل نے اپنے خطبے میں کامیاب مترجم کے اوصاف پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ہماری کثیر جہتی ثقافت کے اتحاد کی اساس ترجمہ ہی ہے۔پورے براعظم میں جو ثقافتی یکجہتی دکھائی دیتی ہے وہ مختلف زبانوں اوران کے تراجم کے چلتے ہی ممکن ہے۔اکاڈمی کے نائب صدر شری مدھوکوشک نے مترجمین کی گل پوشی کی اور صدر پروفیسر چند شیکھر کمبھار نے اورنگ آباد کے معروف شاعر، محقق، تاریخ داں اور بلند پایہ مترجم اسلم مرزا کو ان کے شاہکار منظوم مجموعۂ تراجم ''مور پنکھ'' کی تحسین میں یہ باوقار ایوارڈ پیش کیا۔مور پنکھ مراٹھی زبان کے مشہور شاعر شری پرشانت اسنارے کی ۱۰۵ر نثری نظموں کے مجموعے ''میچ ماجھا مور'' کا اردو زبان میں آراستہ بے مثال ترجمہ ہے جس کی ادبی دنیا میں زبردست پذیرائی ہوئی ہے۔تقسیمِ ایوارڈ کے اجلاس میں ہندوستانی زبانوں کے دیگر مترجمین کو بھی ایوارڈ سے نوازا گیا۔

☆☆☆

برائے اطلاعِ عامّہ
درجِ ذیل سنینِ عیسوی میں مختلف اسباب وعلل کے تحت فریضۂ حج وعمرہ ادا نہیں ہوسکا۔

(الف) ۸۶۵ء: اسمٰعیل بن یوسف السفّاک کے مکۂ معظّمہ پر حملے کی وجہ سے۔

(ب) ۹۳۰ء: ابوطاہر الحلیمی کے مکۂ معظّمہ پر حملے کے سبب۔

(ج) ۹۸۳ء سے ۹۹۰ء (آٹھ سال) تک خلافتِ عباسی اور مملکتِ شام کے درمیان متواتر جنگوں کی وجہ سے۔

(د) ۱۸۳۱ء: طاعون کی وبا پھیلنے کے سبب۔

(ہ) ۱۸۳۷ء تا ۱۸۵۸ء: (بائیس سال تک) عالم گیر مختلف وبائی امراض (Pandemic) کے سبب۔

(و) ۱۸۶۴ء: مکۂ معظّمہ میں ہیضہ کی وبا کے سبب۔

(ز) ۱۸۶۵ء سے ۱۸۸۳ء: مسلسل انیس سال تک مختلف عالم گیر وباؤں کے سبب۔

مرسلہ: عبدالمجید فیضی (سمبلپور (اڈیشا)

طرحی مشاعرہ

مصرعِ طرح ''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے'' پرغزلیں پیش ہیں۔ اگلے شمارے کے لیے طرح نوٹ فرمائیں: '' آنے والے موسموں سے بے خبر رکھا گیا'' (شاعر۔ رفیق الزماں) قوافی: بے خبر' ڈر' ہنر' ردیف۔ رکھا گیا۔ پانچ اشعار پر مشتمل آپ کی طرحی غزل ۱۵ر ستمبر ۲۰۲۱ء کے اندر ہمیں مل جانی چاہیے۔ رسالہ اگر تاخیر سے ملے تو وصول یابی کے ایک ہفتے کے اندر ارسال کر سکتے ہیں۔ (ادارہ)

عبدالمجید فیضی (سمبلپور)
Mob-9778291038

خونیں منظر جس سے دل ناشاد ہے
''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
آج بھی نمرود ہے' فرعون بھی
کوئی ہاماں اور کوئی شداد ہے
آج بھی دورِ غلامی کا ہے رنگ
گو بظاہر ہر بشر آزاد ہے
قومِ مسلم تفرقے سے ہے تباہ
اپنے ہاتھوں آپ ہی برباد ہے
ملتِ حق زد میں ہے اغیار کی
فیضی دنیا در پئے بیداد ہے

سید خادمِ رسول عینی (بھساول)
Mob-9527865833

وہ نہیں تو دل کہاں آباد ہے
نامراد اس سے مری فریاد ہے
زخم ایسا اس نے مجھ کو دے دیا
''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
دل ادا کر شکریہ محبوب کا
اس کی یادوں سے ہی تو آباد ہے
پاؤں کی ٹھوکر میں جس کا غم رہا
وہ بشر دنیا میں ہر دم شاد ہے
یاد آئی داستانِ کربلا
غم بھری عینی مری روداد ہے

ڈاکٹر نلنی وبھا نازلی (ہمیر پور، ہماچل پردیش)
9418304634 موبائل

ہر کسی کی زندگی ناشاد ہے
نسلِ انساں ہو رہی برباد ہے
پوچھ لی نا ہر کسی کی کیفیت
کیا بشر کوئی جہاں میں شاد ہے
وہ کسی کا ہم سے کہنا صاحبہ
''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
پر کتر ڈالے مرے صیاد نے
پھر کہا جا اڑ جا تو آزاد ہے
نازلی حاکم کو اس سے کیا غرض
کون فریادی ہے' کیا فریاد ہے

صابر کاغذنگری (تلنگانہ)
موبائل۔ 9441020768

داد ہے کوئی نہ اب فریاد ہے
اس کی یادوں سے یہ دل آباد ہے
کیسے بھولوں وعدۂ فردا ترا
''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
کون ہے غم سے مبرّا دہر میں
زندگانی غم سے کب آزاد ہے
سب پرندے جال لے کر اڑ گئے
ہاتھ ملتا رہ گیا صیاد ہے
بے کسوں کی بے بسی کو دیکھ کر
صابرِ دلشاد بھی ناشاد ہے

سردار ساحل (روندر نگر کڈپہ)
Mob-9885348482

اب نہ شیریں ہے نہ وہ فرہاد ہے
عشق کے صحرا کی یہ فریاد ہے
دو جہاں کی سیر کرتا ہے ابھی
قید میں رہ کر بھی دل آزاد ہے
شاعری کی محفلوں میں آج کل
بے بحر شعروں پہ ملتی داد ہے
دوسروں کے درد کو سمجھے گا کون
رب ہی جانے کس کی کیا افتاد ہے
کرب کے تحفے دیے جس دوست نے
قلبِ ساحل میں وہی آباد ہے

سید اولادِ رسول قدسی (امریکہ)
Mob-+1(832)352-1992

بند یوں دروازۂ امداد ہے
بے اثر مظلوم کی فریاد ہے
ان کی بارانِ نوازش کا سماں
''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
لمحہ لمحہ رہگزارِ فکر کا
درد و غم کی دھوپ میں بھی شاد ہے
جس کی بنجر ہوں حیا کی کھیتیاں
اس کی فصلِ آبرو برباد ہے
پوچھتا ہے وقت قدسی وقت سے
عمر کی کیا کوئی بھی میعاد ہے

محمد رفیق وارث مصباحی (جنوبی افریقہ)
موبائل +27812895507

ذکر ان کا عشق کی بنیاد ہے
یہ نہ ہو تو زندگی برباد ہے
قید میں رہنا پسند اس کو نہیں
جو پرندہ فطرتاً آزاد ہے
تو بدل اپنی روش کو اے عقاب
مائلِ پرواز اب صیاد ہے
ان کی طرزِ گفتگو کی چاشنی
''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
اس کی ہوگی فتح وارث بالیقیں
جنگِ خندق جس کو اب تک یاد ہے

ارشد قمر (ڈالٹن گنج' پلاموں)
موبائل۔ 8092535235

تجھ سے یارب بس یہی فریاد ہے
دے خوشی مجھ کو کہ دل ناشاد ہے
بے ارادہ کس جگہ ہم آ گئے
ایک ویرانہ جہاں آباد ہے
ایک ساں رہتی نہیں ہے زندگی
دل کبھی ناشاد یا پھر شاد ہے
بے خطا ہیں داخلِ زنداں مگر
اور جو مجرم ہے وہ آزاد ہے
ہوشیاری سے چلو ارشد میاں
تاک میں بیٹھا ہوا صیاد ہے

اکبر چنوری (کاغذنگر تلنگانہ)
موبائل۔

فضلِ حق سے دل یہ میرا شاد ہے
زندگی کے غم سے جو آزاد ہے
چھوڑ کر تیری اطاعت یا خدا
ساری دنیا ہو رہی برباد ہے
تو ہی مولا ہے ہمارا کارساز
ہر گھڑی حاصل تری امداد ہے
شاہراہِ زندگی میں آپ کی
''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
فضلِ خلاقِ ازل اکبر غزل
کہہ رہا ہوں جب سے یہ ایجاد ہے

محمد ممتاز شعور (سمبلپور، اڈیشا)
موبائل 6370768671

خانۂ دل بے طرح برباد ہے
لٹ گئے ہم وہ مگر آباد ہے
ظلم سہہ کر بھی پڑا ہوں قید میں
ظلم ڈھا کر بھی کوئی آزاد ہے
تم ہمارے حال پر تھے مہرباں
''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
خوف کی زد میں ہے دنیا ان دنوں
جو جہاں پر ہے وہیں ناشاد ہے
کون شاگردی کا قائل ہے شعور
شاعروں میں ہر کوئی استاد ہے

سبطین پروانہ (کٹیہار بہار)
Mob-6203678599

مہربانی سے تری دل شاد ہے
گلشنِ ارماں مرا آباد ہے

ماتحت کوئی کسی کا اب نہیں
دیکھیے جس کو وہی آزاد ہے

ظالموں کو ختم کردے اے خدا
لب پہ مظلوموں کی یہ فریاد ہے

اپنے بچوں کا نکالے صدقہ وہ
آدمی جو صاحبِ اولاد ہے

یار پروانہ حسد سے دیکھیے
نیکیوں والا عمل برباد ہے

محمد رضا الباری اظہرؔ (کٹیہار بہار)
Mob-9931164932

درد کے موسم میں رہتا شاد ہے
لذتِ غم سے یہ دل آباد ہے

بھوک سے ہمسایہ تیرے مرگئے
اے امیرِ وقت تو جلاد ہے

وصل کی دلکش گھڑی جو آئی تھی
''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''

جو عقیدت رکھتا ہے سرکار سے
نارِ دوزخ سے وہی آزاد ہے

کر سدا خدمت تو والدین کی
تو بھی اظہر صاحبِ اولاد ہے

تصدیق احمد خاں تصدیقؔ (اجمیر راجستھان)
7976880612 موبائل

زندگی ہر طور سے آباد ہے
مشکلوں میں بھی مرا دل شاد ہے

کھول کر پنجرا کہا صیاد نے
اڑ جا اے پنچھی تو اب آزاد ہے

وہ مکاں تو گر ہی جایے گا ضرور
ریت پر جس کی رکھی بنیاد ہے

اس کا احساں بھول ہی سکتا نہیں
اس نے کی مشکل میں جو امداد ہے

وہ دعا تصدیقؔ کو دیتی رہی
ماں کی ممتا کی سہانی یاد ہے

حمید عکسیؔ (ورنگل، تلنگانہ)
موبائل۔9000719016

دل وبا کے خوف سے ناشاد ہے
رحم کر میرے خدا فریاد ہے

جو نہیں کرتا ہے ماں کا احترام
زندگی میں ہر طرح برباد ہے

آپ نے امداد کی تھی ایک دن
''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''

ظلم جو ڈھانے لگا معصوم پر
وہ ہمارے وقت کا شداد ہے

پیش کرتا ہوں غزل عکسیؔ کبھی
اہلِ فن سے خوب ملتی داد ہے

ایم۔ریحانہ پروین ناہید (کڈپہ)
Mob-8019838253

وہ تصور میں مرے آباد ہے
اس لیے یہ دل مرا بھی شاد ہے

جس نے غفلت میں گزاری زندگی
ہوگیا وہ ہر طرح برباد ہے

قید رکھا ہے قفس میں آج تک
کس قدر ظالم مرا صیاد ہے

ظلم کی ہونے لگی ہے انتہا
ہر کسی کے لب پہ بس فریاد ہے

ہے عجب ناہید منظر آج کا
ہے کوئی ناشاد کوئی شاد ہے

صدف عرشی (کیونجھر،اڈیشا)
Mob-9337396998

آج کا انساں کہاں آباد ہے
عیش و مستی میں بہت برباد ہے

بے کلی چھائی ہوئی ہے ہر طرف
یہ وبا سب کے لیے افتاد ہے

مطلبی جالوں نے پھانسا تھا ہمیں
''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''

آج کل تھوڑی خوشی ملتی نہیں
آدمی اب اس قدر ناشاد ہے

علم و فن کی خیر ہو عرشی کہ اب
طفلِ مکتب بن گیا استاد ہے

خواہ مخواہ دیلا پوری (بہار)
Mob-9472217246

کہہ رہی تھی مالکن جلاد ہے
نہ تو وہ شیریں ہے، نہ فرہاد ہے

ایک ہی تھالی میں کھانا بیٹھ کر
''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''

اپنی بیگم کو نہ لانا روبرو
اپنی فطرت سے تو وہ جلاد ہے

ہم سسر کو جانتے تھے سخت دل
ساس کا بھی دل سنو فولاد ہے

خواہ مخواہ میں بن بلائے آیا ہوں
پوچھتا ہے نام وہ دلشاد ہے؟

معین شفق (بھدرک، اڈیشا)
موبائل۔9853639623

عشق سے گر یہ جہاں آباد ہے
عاشقوں سے کس لیے ناشاد ہے

بے خبر ہیں عشق کے انجام سے
کوئی شیریں ہے کوئی فرہاد ہے

یہ بھی ممکن ہے کہ ہو الٹا اثر
دل فریب یوں تو ہر اک ایجاد ہے

دوستوں کے حق میں جو ہے ایک پھول
دشمنوں کے واسطے فولاد ہے

چھو گیا تھا دل کو جو شعرِ شفق
''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے

یونس عاصم (کٹک (اڈیشا)
موبائل۔9090156995

جسم تیری قید میں صیاد ہے
روح تو لیکن مری آزاد ہے

پالتا ہے خواہشوں کو دل میں جو
اس لیے دنیا میں وہ ناشاد ہے

آج کر لے کل تجھے کرنا ہے جو
اہلِ دانش کا یہی ارشاد ہے

وہ تری بیباک نظروں کا پیام
'[مدتیں گزریؒ ابھی تک یاد ہے''

جھیلتا ہوں رنج و غم عاصم سدا
زندگی میرے لیے افتاد ہے

ثاقب کلیم (کٹیہار، بہار)

کوئی جن آسیب نہ ہمزاد ہے
خوف جس سے ہے مری فریاد ہے

ایک ہی چھت کے تلے رہتے تھے سب
''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''

اس نے غفلت میں گنوایا وقت کو
اس لیے وہ ہوگیا برباد ہے

نفرتوں کا بیج جو بونے لگا
درس الفت کا اسے کب یاد ہے

زندگی میں شادماں رہتا تھا جو
آج ثاقب وہ بھی تو ناشاد ہے

احمد سمیع ثمرؔ (سارن، بہار)
748882089 موبائل

جس کو دیکھو آج کل ناشاد ہے
رنج و غم سے یہ جہاں آباد ہے

زندگی میں کامیابی مل گئی
اس لیے یہ میرا دل بھی شاد ہے

آپ نے احساں کیا تھا مجھ پہ جو
''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''

جو مرا غم خوار تھا وہ جا چکا
آج میرا دل بہت ناشاد ہے

بات یہ بھی ہے مقدر کی ثمر
کوئی قیدی ہے کوئی آزاد ہے

عارفہؔ رخسانہ (سدّی پیٹ تلنگانہ)
9963090280 موبائل

آج کل صحنِ چمن برباد ہے
ہر کلی مغموم ہے ناشاد ہے

باغباں کے اس تغافل کے سبب
اپنا گلشن آج کل برباد ہے

ظالموں کی حکمرانی میں سنو
ظلم سے کب آدمی آزاد ہے

درپئے آزار ہیں اہلِ یہود
مسجدِ اقصیٰ کی یہ فریاد ہے

آشنا تہذیب سے ہیں عارفہ
پاس اپنے ورثۂ اجداد ہے

نظام مجھولیاوی (مظفر پور، بہار) Mob-9973047938

آپ کی چاہت میں جو برباد ہے — در حقیقت بس وہی آباد ہے
بے قصوروں پر جو ڈھاتا ہے ستم — سمجھو وہ شیطان کی اولاد ہے
ظالموں سے تو بچالے اے خدا — تیرا بندہ طالب امداد ہے
مفلسی میں جو گزاری زندگی — ''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
میں غزل کہتا ہوں لیکن اے نظام — مہرباں مجھ پر میرا استاد ہے

نظام جلالپوری (مظفر پور بہار) Mob-9199874010

غم مرے سینے میں لاتعداد ہے — آپ کی چاہت میں دل برباد ہے
تیرا رستہ دیکھتا رہتا ہوں میں — منتظر میرا دلِ ناشاد ہے
عشق والوں کی کمی بالکل نہیں — کوئی شیریں ہے کوئی فرہاد ہے
ساتھ گزرا لمحہ لمحہ اے صنم — ''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
دل لگانا ہے خطا سن لے نظام — اپنے پرکھوں کا یہی ارشاد ہے

شمیم القادری (مظفر پور بہار) Mob-9507632100

شاد تھا' آباد تھا' آباد ہے — کیسے کہہ دوں دل مرا ناشاد ہے
کروٹوں پر کروٹیں لیتا ہے جو — ذہن میں اس کے کوئی فرہاد ہے
آپ کی یادوں نے لیں انگڑائیاں — میرا دلِ ہونے لگا پھر شاد ہے
گھر دبے پاؤں وہ آیا تھا کبھی — ''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
کس طرح منزل پہ جاؤ گے شمیم — میل کا پتھر بنا صیاد ہے

نفیس سیتاپوری (یوپی) Mob-9555322616

قدر بچوں کی اسے کب یاد ہے — جب امیرِ شہر بے اولاد ہے
اس کا نمبر بھی تو اک دن آیے گا — قتل پر میرے ابھی وہ شاد ہے
اس کا خط پا کر خوشی مجھ کو ہوئی — جس کا اک اک حرف مجھ کو یاد ہے
دیکھ کر مجھ کو وہ شرمانا ترا — ''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
چین سے جینے نہیں دیتا نفیس — اپنا حاکم تو بڑا جلاد ہے

فیروز القادری (مظفر پور بہار) Mob-6204862039

آج تک غم سے نہ دل آزاد ہے — پھر کہوں کیسے کہ یہ دل شاد ہے
بے رخی سے موڑ کر منہ چل دیے — یہ ستم ڈھانا تمہارا یاد ہے
ہے جنونِ عشق کا یہ بھی اثر — کوئی مجنوں ہے کوئی فرہاد ہے
وہ جو پل گزرا تمہارے ساتھ میں — ''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
ہے دعا فیروز کی اتنی خدا — ٹال دے آئی بلا فریاد ہے

فرقان فیضی (سرلاہی نیپال) Mob-9779827647901

آج کل ہر اک بلا آزاد ہے — قید گھر میں ہے تو آدم زاد ہے
جانِ جاں وہ دل نشیں چہرہ ترا — ''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
مسکرا کر دیکھ لو اک بار تم — اس دلِ مضطر کی یہ فریاد ہے
پر کترتا ہے پرندوں کی سدا — اصل میں یہ فطرتِ صیاد ہے
فیضی سن کر آنکھ پرنم ہوگئی — درد میں ڈوبی تری روداد ہے

افضل مظفر پوری (مظفر پور، بہار) Mob-9955029167

دل غمِ محبوب سے آباد ہے — اس لیے ہر غم سے یہ آباد ہے
وہ رفاقت اور محبت آپ کی — ''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
آج جو حاکم بنا ہے ملک کا — وقت کا نمرود ہے شداد ہے
ظلم سے دے دے اماں مظلوم کو — اے خدا تجھ سے یہی فریاد ہے
فتح تیری ہوگی افضل غم نہ کر — گرچہ دشمن کی بڑی تعداد ہے

غلام سرور جلالپوری (ویشالی بہار) موبائل-8340581355

دین و دنیا میں وہ انساں شاد ہے — باپ ماں کا جس پہ آشرواد ہے
وعدہ کرکے تو مکرنا نہ کبھی — تجھ سے بس میری یہی فریاد ہے
ایک وہ لمحہ جہاں ہم تم ملے — ''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
خاک میں تجھ کو ملا دوں گا ابھی — مت سمجھنا کم مری تعداد ہے
چھوڑ کر سرور گیا وہ بے وفا — پھر بھی وہ دل میں مرے آباد ہے

محمد مبارک حسین فریدی (مظفر پور بہار) موبائل-9973375190

اس طرح سب پر پڑی افتاد ہے — ہر کسی کے لب پہ اب فریاد ہے
سلسلہ ان سے چلا تھا پیار کا — ''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
آج کل کے حکمراں کو کیا کہوں — ہے کوئی فرعون یا شداد ہے
جب تلک جذبہ نہ ہو اخلاص کا — ہر عمل اس کے لیے برباد ہے
عشق کا دعویٰ فریدی ہے جنھیں — ان میں ہے مجنوں کہ یا فرہاد ہے

احقر القادری (مظفر پور بہار) Mob-7366854786

طالبِ محبوب کا دل شاد ہے — اور ہر اک غم سے دل آزاد ہے
اپنا جو تھا وہ بگانہ ہوگیا — یہ ہمارے وقت کی بیداد ہے
اک جھلک محبوب کو دیکھا تھا جب — ''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
دور کردے اے خدا آئی بلا — بے کسوں کی تجھ سے یہ فریاد ہے
فضلِ مولا ہی سے احقر قادری — دل سکوں سے آج کل آباد ہے

غلام نبی حسن قادری (مظفر پور بہار) Mob-9934945133

عاجزی سے جس کا دل آباد ہے — زندگی میں وہ ہمیشہ شاد ہے
جس کو اندھا کردے عہدے کا غرور — سمجھو اس کو اک بڑا جلاد ہے
ظالموں کا ظلم سہنے کے لیے — حوصلہ مظلوم کا فولاد ہے
کربلا میں اہلِ حق نے جان دی — ''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
راہِ الفت میں بھی دھوکہ اے حسن — آج کل کی یہ بھی اک ایجاد ہے

اشتیاق عنبر (مظفر پور بہار) Mob-8210182085

عشق کی تکلیف جس کو یاد ہے — پیار میں ہوتا نہیں برباد ہے
داستانِ غم سناؤں کس طرح — سامنے بیٹھا ہوا جلاد ہے
مسکرانا میری قسمت میں کہاں — ہر گھڑی مجھ پر پڑی افتاد ہے
دوستوں نے زخم جو مجھ کو دیے — ''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے''
فخر ہے عنبر مجھے اس بات پر — پیار کی خوشبو سے گھر آباد ہے

(بقیہ صفحہ ۴۹ ر پر)

ادبی معلوماتی معمہ نمبر۔ا

اس شمارے سے ادبی معلوماتی معمہ کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔اس میں شرکت کے لیے کوئی فیس نہیں ہے۔اس معمہ کے ساتھ ذیل میں دیے گئے کوپن کو کوپر کر کے ۲۰؍اگست ۲۰۲۱ء تک ارسال کریں۔ایک سے زیادہ صحیح حل ملنے پر قرعہ اندازی میں جس کا نام آیے گا ادبی محاذ اس کے نام ایک سال تک مفت جاری کردیا جایے گا۔پیش کش: ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی۔لکھنؤ

معمہ کی خانہ پری کی خصوصیات

(۱) چھ عدد دس حرفی لفظ (۲) مخصوص ڈیزائن (۳) ہر حرف کم از کم دو حروف سے مربوط (۴) تین اشارات مشہور شعرا کے مصرعوں پر مبنی

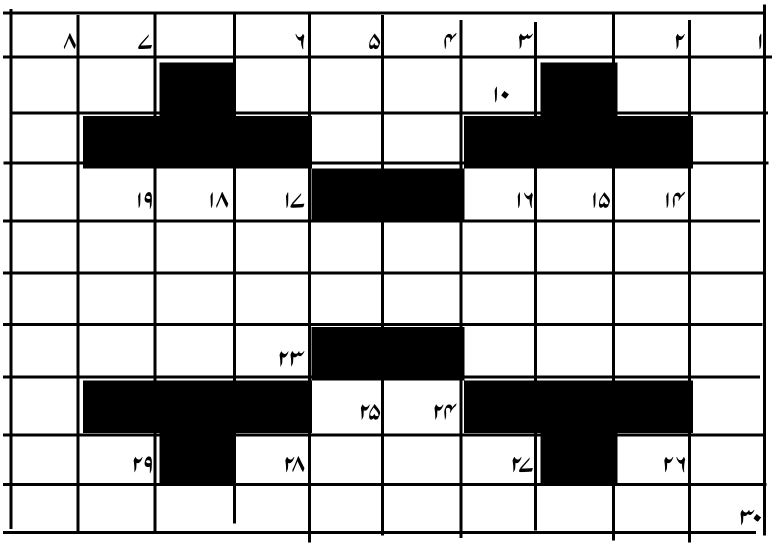

اشارات

دائیں سے بائیں (۱) تقریر کی لذت (۹) ابھی (۱۰) روایت کیا گیا (۱۱) انکار (۱۲) جانوروں کو بلانے کی آواز (۱۳) کمزور (۱۷) پگھلانے والا (۲۰) ....کیا بات تھی ایسی ساقی (شاد عظیم آبادی) (۲۱) جو آئی حشر میں یا داس... (امیر مینائی) (۲۲) قریبی تعلق، عزیز داری (۲۳) زندگی (۲۴) ناک کا مخفف (۲۵) ....یا پار (۲۷) عادت، کیفیت (۲۹) قابو، بہت (۳۰) ....آدم کا سنتے آیے تھے لیکن (غالبؔ)

(۱) قرآن رکھنے والے (۲) ہونٹ (۳) صابن کی ایک مشہور برانڈ (۴) تیرا کا مخفف (۵) روٹی پکانے کا برتن (۶) الٹی، قے (۷) جاپانی کرنسی (۸) راستے کے چوراچکوں کی پہچان (۱۴) چنگاری (۱۵) پہاڑی کوا (۱۶) تیرہ کے بے ترتیب حروف (۱۷) جگ مگ کا الٹ (۱۸) مدیر کے بے ترتیب حروف (۱۹) دریا کا الٹ (ہندی) (۲۴) اڑان کا الٹ (۲۵) محل، حویلی (۲۶) ٹھہر (۲۷) جی، طبیعت (۲۸) پانی (ہندی) (۲۹) مسافروں کی موٹر سواری، قابو

قارئین توجہ فرمائیں

اس انعامی معمہ مقابلہ میں شرکت کی کوئی فیس نہیں ہے۔خوش خط پر کیے گئے معمہ کے ہمراہ ذیل میں دیے گئے کوپن کو پر کر کے ۲۰؍اگست ۲۰۲۱ء تک ارسال کریں۔معمہ کا صحیح حل اگلے شمارے میں شایع کیا جائے گا۔ان صاحبان کو جن کا نام اور پتہ دوسرے کوپن میں درج ہوگا انھیں سال بھر کے لیے مفت رسالہ پیش کیا جایے گا۔

کوپن برائے قاری

مکمل نام............................

موبائل نمبر............................

مکمل پتہ مع پن کوڈ............................

....

کوپن برائے انعامی رسالہ وصول کنندہ

مکمل نام............................

موبائل نمبر............................

مکمل پتہ مع پن کوڈ............................

....

TAWAKKAL ENTERPRISES
Poilce Lane, Buxi Bazar,
Cuttack-753001
Tel. : 0671-6548643
Mobile : 9238418643
Stockist of :
Hamdard, Zandu Pharmaceuticals,
Dechane, New Shama Labs, Kalonji Oil,
Noorani Oil, Qudrati Oil,
Royal Ayurvedic Pharmacy Etc.
Proprietor : ABDUL AHAD

Libas
Suit Specialist

Master
F.A. Khan
Ph. : 0671-2428418
Mob. : 9437143877
SUTAHAT
(NEAR TINKONIA BAGICHA)
CUTTACK - 1

اس جگہ اشتہار دے کر اپنے
بزنس کو فروغ دے سکتے
ہیں

اس جگہ اشتہار دے کر
اپنے بزنس کو فروغ دے
سکتے ہیں

DWA GHAR
Blood, Urine, Stool,
Pregnancy Etc.
are examined here
Prop. : Sd. Sahid Ali
Mobile : 93376 26958
Deewan Bazar,
Cuttack-1
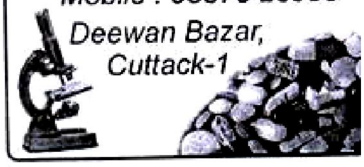

The famous shop for
durable footwear in your city
BOMBAY
FOOTWARE

BUXI BAZAR, CUTTACK-1

STYLE 'N' STYLE
(DESIGN FOUNDER)
SHOP NO.A-8, FANCY MARKET
TINKONIA BAGICHA
CUTTACK-1

ALL TYPES OF READYMADE
GARMENTS ARE AVAILABLE HERE
PROP. : LAL BHAI
MOB. : 09861383643

ALUMINIUM
& STEEL
FABRICATION
We Deals in :
Aluminium Windows, Sliding Door,
Steel Railing, Balcony,
Fabric & Commercial Door,
Gypsom Roof Ceiling Work
SUTAHAT, CUTTACK-1
Mobile : 90400 48800